٤٨٦

اِنَّ هٰذِهٖ لَتَذْكِرَةٌ

رِیاضُ الانسابُ

(حصہ دوم)

از

تصنیف لطیف حاجی الحرمین زائر سبط رسول الثقلین
جناب سید محمود علی خاں صاحب بی۔اے المتخلص بہ ضیا
عظیم آبادی

حسب فرمائش عزیز گرامی قدر نواب سید مہدی حسن خاں عرف منّن نواب سلمہ اللہ تعالیٰ
رئیس اعظم سنگی دالان عظیم آباد۔ پٹنہ

بسلسلۂ مطبوعات بزم شاد.

زمانہ ترتیب و تکمیل

سنہ ۱۹۵۵-۵۶ء ⟷ سنہ ۱۳۷۴-۷۵ھ

طباعت و اشاعت

نومبر سنہ ۱۹۶۴ء — رجب سنہ ۱۳۸۴ھ

طبع اوّل — پانچ سو جلدیں

ملنے کا پتہ

احمد علی و محمد علی ابنان محمود علی صبا

"کاشانہ"، سنگی دالان۔ پٹنہ سٹی

مطبع:۔ مگدھ پریس پٹنہ

انتساب

میں اپنی اس ناچیز تصنیف کو اپنی مقدس و محترم مادر گرامی الحاجہ مسعودۃ النساء جنت آرام گاہ کی اُس غیر فانی مادری محبت سے معنون کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں جس کی آغوش میں میرے مذہبی جذبات و احساسات کی نشو و نما ہوئی اور جو آج جنت البقیع میں زیر پائیں حضرت فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا سکون کی نیند سو رہی ہیں

محمود علی صبا

فہرست

(صفحہ column header printed above page numbers of the first half)

پیش لفظ

وضعِ[1] زمانہ قابلِ دیدن دوبارہ نیست
رو پس نہ کرد ہر کہ ازیں خاکداں گذشت

"تذکرۃ الاسلاف لتبصرۃ الاخلاف"۔ عربی کا ایک اعلیٰ درجہ کا مقولہ ہے خوش نصیب ہے وہ خاندان جس کے افراد اپنے بزرگوں کی یاد تازہ کرتے ہیں اور اُن کے نقشِ قدم پر چلنا سعادتِ دارین سمجھتے ہیں۔ ورنہ زمانہ وہ پُر آشوب ہے کہ گھر گھر نفاق پھیلا ہوا ہے۔ بھائی کو بھائی سے، بیٹے کو باپ سے اور بی بی کو شوہر سے مخالفت! ایک دوسرے کی تکلیف دہی و آزار رسانی میں ہمہ تن شب و روز مصروف ہے، خدا سے نہیں ڈرتے کہ فرماتا ہے۔

الرحم شجنۃ من الرحمن من وصلھا وصلہ اللہ و من قطعھا قطعہ اللہ جس نے قطع رحم کیا اللہ اُس سے قطع کریگا۔ نعوذ باللہ منھا لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

---

[1] ابوطالب کلیم ملک الشعراء دربار شاہ جہان از سن ۱۰۳۷ تا ۱۰۶۱ ہجری۔

زمانہ برابر بدلتا رہتا ہے اور نظریات میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں
کل جو باتیں اچھی تھیں آج وہ قابلِ اعتنا نہیں اور جو باتیں بُری تھیں
آج ان کی طرف کچھ خیال نہیں، لہٰذا مصنفوں کے لئے ان چیزوں پر نظر
رکھنا ضروری نہیں کہ کل نظریات میں جب تبدیلیاں ہوں گی تو میری
تصنیف پر کس قسم کی تنقید ہوگی، اُن کے لئے صرف ایک راہ ہے اور
وہ یہ کہ وہ اپنے زمانے اور ماحول کے لحاظ سے کتابیں لکھیں، پھر ہر صنف
کی کتاب ایک انداز و اصول پر ترتیب نہیں دی جاتی بلکہ انکا طرز و انداز
جدا جدا ہوتا ہے۔ تمام اصنافِ تصانیف میں فن تاریخ و سیر بڑی اہمیت
رکھتی ہے، اس لئے کہ اپنے عہد کی سچی تصویر کشی و نمائندگی کرنے کے علاوہ
مصنف کے جذبات اور احساسات جو اُس زمانہ کے ماحول سے متاثر ہو کر
پیدا ہوئے ہیں ایک حد تک اس کی آئینہ دار ہوتی ہے، ہر شخص کا کام نہیں
کہ فنِ تاریخ اور سیر پر آزادی کے ساتھ قلم اٹھائے کیونکہ یہ فن صراحتِ
واقعات کے ساتھ ساتھ تحقیق و تطبیقِ روایات بھی چاہتا ہے۔ جہاں
کسی مصنف نے اس فن میں بے راہ روی اختیار کی وہیں اس کی شخصیت
پر ضرب لگی اور تصنیف بے وقعت ہوگی۔

ہر ملک و قوم میں فنِ تاریخ و سیر کی ایک خاص اہمیت رہی ہے،
اہلِ عرب خصوصاً بنی خزیمہ کے زمانہ سے لیکر اسلام کے زمانہ تک یہ دو فن
اُن کے ہمیشہ مطبوعِ خاطر رہے، ایک یادداشتِ انساب اور اُن کی
مختلف شاخیں، یہاں تک کہ پشتہا پشت تک کے حالات و واقعات

اور جہاں جہاں سے اُن کی شاخیں الگ الگ ہو گئی تھیں سینہ بہ سینہ محفوظ رکھتے تھے، دوسرے فنِ ادب و شاعری، اسلام نے اِن دونوں فنوں کے جو نقائص تھے ان کو البتہ مٹایا مثلاً علم انساب اور اپنے خاندان پر فخر و ناز کرنا یہ کہکر کہ "اذا نفخ فی الصور فلا انساب بینہم" جب روزِ قیامت صور پھونکا جائے گا تو نسب کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ سب ایک احاطہ میں آجائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نوحؑ کی اولاد کے بارے میں یوں فرماتا ہے۔" انہ لیس من اہلک انہ عمل غیر صالح" اور نوحؑ کے بیٹوں کی بدکاری کا یوں ذکر کرتا ہے۔ والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین آمنو وعملوا الصلحت" اور آخر میں یہ فرماتا ہے" اکرمکم عند اللہ اتقاکم" اس طرح اُن کے قصائد کے اکثر مضامین جو فسق و فجور و ہجویہ الفاظ سے بھرے ہوئے تھے اُن پر یوں جھڑکی دی" الشعراء یتبعہم الغاوٗن یقولون ما لا یفعلون و فی کل واد یہیمون" شعرا گمراہوں کی پیری کرتے ہیں اور جو کچھ زبانی کہہ جاتے ہیں (نصیحت و پند) اُس پر خود عمل نہیں کرتے۔ لیکن مومنِ صالح کو مستثنیٰ کر دیا گیا۔

الغرض اہل عرب کو فنِ تاریخ و سیر سے اس قدر گہرا لگاؤ ہو گیا تھا کہ اُن کا شغف فطرتِ ثانیہ بن گیا تھا۔ چنانچہ مسلمان جہاں جہاں سیاحت یا تجارت کی غرض سے گئے یا فاتحانہ داخل ہوئے کم و بیش وہاں کی تاریخ ضرور لکھی، وہ اس فن سے اس قدر مانوس تھے کہ جن کو مستقل تاریخ و سیر

مدون کرنے کا موقع نہ تھا وہ بھی روزنامچے (ڈائری) لکھا کرتے تھے۔
سلاطین سے لیکر امرا بلکہ عام پڑھے لکھے سَو سَو برس قبل و بعد کی
جنتریاں بنا بنا کر جہاں جہاں تک اگلے واقعے ان کو معلوم تھے۔ تاریخ وار
اور جو جو واقعے روز روز گزرا کرتے تھے اُن کو ضرور قلم بند کر لیا
کرتے تھے۔

ہندوستان میں بھی غدر ۱۸۵۷ء کے قبل تک کوئی ممتاز گھر
ایسا نہ تھا جہاں اُن کے بزرگوں کے لکھے ہوئے یا خود انہیں کے تیار
یا نا تیار، مکمل یا نامکمل روزنامچے نہ ہوں، مگر افسوس ہے کہ غدر
۱۸۵۷ء کے بعد سے دولت کے ساتھ ساتھ اِن کے علوم و فنون و
بیدار مغزی سب پر نمایاں زوال آگیا۔ جب علم ہی نہیں رہا تو تالیف و
تصنیف کا شوق اور کمالِ قدردانی کا مادہ بھی جاتا رہا۔

سوال یہ ہوتا ہے کہ جب خاندان پر فخر و ناز کرنا کوئی قابل ذکر چیز
نہیں تو پھر ایسی کتابیں یا تذکرے کیوں لکھے جائیں جس میں کسی
شخص کے خاندانی بزرگی اور بڑائی کا تذکرہ ہو۔ اس سلسلہ میں صرف
دو باتیں عرض کرنی ہیں۔ اولاً انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ اپنے لوگوں
کے حلقے اور دائرہ میں امتیازی حیثیت حاصل کرے۔ اور یہ چیز
اپنے کردار صلاحیت علمی اور خوفِ خدا اور جذبۂ ایثار سے حاصل ہوتی
ہے۔ اور متواتر ایک خاندان کے افراد کا کئی پشتوں تک امتیازی حیثیت
حاصل کر لینا اُس خاندان کے لئے باعثِ افتخار بن جاتا ہے اور پھر یہ جذبۂ

خود داری اِس قدر مستحکم اور دیرپا ہوتا ہے کہ ہر فرد اُس کو قائم رکھنا اپنا فرض اولین سمجھتا ہے، اور اسی جذبہ پر خاندانی فخر و مباہات کی بنا پڑتی ہے اور بڑھتے بڑھتے ملوکیت آجاتی ہے، اس سے کوئی قوم اور ملک خالی اور مبّرا نہیں۔ صحیح ترمذی میں سیدنا عباس بن عبدالمطلب عمِ رسول صلعم کی روایت ہے کہ میں نے نبی صلعم سے عرض کیا کہ اہل قریش بیٹھے ہوئے حسب نسب کا ذکر اور باہمی تعلقات کا بیان کر رہے تھے حضور کا ذکر بھی آگیا تو انہوں نے حضور کو نخل کدیہ (سنگلاخ زمین پر کھجور کا درخت) سے تشبیہ دی۔ اس سے قریش کا اشارہ نبی صلعم کے فرزند نرینہ نہ ہونے کی جانب ہے۔ آنحضرت نے فرمایا۔ ان اللہ خلق الخلق فجعلنی من خیر فریقھم وخیر الفریقین۔ ثم تخیر القبائل فجعلنی من خیر قبیلۃ۔ ثم تخیر البیوت فجعلنی من خیر بیوتھم۔ فانا خیرھم نفسا وخیرھم بیوتا۔" اللہ تعالیٰ نے خلقت پیدا کی اور ان کی شاخیں بنائیں اور مجھے بہترین شاخ میں رکھا۔ پھر قبائل بنائے اور مجھے بہترین قبیلے میں رکھا۔ پھر بیوت (گھرانے) بنائے اور مجھے بہترین گھرانہ میں بنایا۔ لہذا میں اُن سب سے بہتر ذات اور بہترین گھرانے کا ہوں۔

دوسرے تعلیم کا رواج پہلے اتنا عام نہ تھا جتنا آج ہے، بلکہ چند مخصوص خاندان و قبائل میں تعلیم محدود تھی، اسلئے تعلیم یافتہ خاندان کے افراد کے ہاتھوں میں قوم کی باگ ڈور رہی، انہیں کے ہاتھوں ممالک تاراج ہوئے اور حکومتوں کے سنگ بنیاد رکھے گئے، انہیں نے ہر علم و ادب

کے لیسوؤں کی تنہانہ کستی کی، اور علم کو علم اور فن کو فن بنایا۔ انھیں میں اولیا و اوصیا ہوئے سلاطین و ملوک ہوئے، شاعر و ادیب ہوئے، غرض تمدنی اور مذہبی زندگی کا کوئی ایسا میدان نہ تھا جو ان کے سمندِ فکر و عمل کی جولان گاہ نہ رہا ہو۔

اِن بزرگوں کی یاد قائم کرنے اور تذکرہ لکھنے سے غرض صرف اتنی ہے کہ حدیث نبوی پر عمل کیا جائے اور صلہ رحم پر عمل کرکے خود کو صلہ رب العالمین کا مستحق بنایا جائے۔ اور اُن کی بزرگی و حوصلہ مندی کا پرتو آنے والی نسل پر پڑے اور اُن کے کارنمایاں کی مشعل لیکر اخلاف اپنی راہ تلاش کریں۔ اور ممتاز و ممیز منزل پر پہونچنے کی کوشش میں کوتاہ عملی کو راہ نہ دیں تاکہ اسلاف کے روشن ناموں پر بدنامی اور گمنامی کے دھبے نہ آنے پائیں۔ چونکہ انسانی طبائع مختلف ہوتے ہیں اور ہر شخص علحدہ علحدہ چیزوں کا جویا اور تلاشی ہوتا ہے اس لئے اُن کی تشنگی کو دور کرنے لئے مصنف تاریخ و سیر میں کل ایسی چیزیں مُہیا کردیتا ہے، چنانچہ بزرگوں اور بڑی ہستیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اُن کی اوالعزمی کے ساتھ ساتھ خاندانی وجاہت کو بھی ضمناً لکھ دیتا ہے، ورنہ درحقیقت یہ اُس کا موضوع نہیں ہوتا۔ اور تنگ نظر اور تنگ خیال اسی کو اصل موضوع سمجھکر معترض ہوتے اور الجھتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ ؓ سے مروی ہے:۔ حیث قال عن ابی ھریرۃ

عن النبی صلعم" قال تعلموا من انسابکم ماتصلون به ارحامکم فان صلة الرحم محبة فی الاهل مثراة فی المال منساۃ فی الاثر (اخرجه الترمذی)" ترجمہ:۔ عالی نسبی بلا عمل کسی کام کی چیز نہیں نہ دین میں نہ دنیا میں۔

چنانچہ اس حدیث کی حکم کی بجاآوری میں میں نے تمام مردہ اور زندہ اہل برادری کو بڑی تلاش اور کاوشوں سے ایک جگہ لاکر جمع کردیا ہے تاکہ آپ خود اُن کے حالات پڑھیں اور واقف ہوں۔ مزید برآں اُن کے ساتھ صلہ رحمی کریں اور اللہ تعالیٰ اس کا اجر دنیا و عقبیٰ میں آپ کو بخشے کیونکہ اس کے خلاف کرنے والوں کے لئے حدیث شریف میں سخت وعید آئی ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا ہے۔

الرحم شجنة من الرحمن من وصلها وصله الله ومن قطعها قطعه الله۔

چنانچہ اس کتاب کی تصنیف کی غرض صرف یہ نہیں کہ خاندان پر فخر و ناز کیا جائے اور گذشتہ شان و شوکت کی داستانیں دھرائی جائیں۔ بلکہ صلہ رحم کے ساتھ ساتھ اُن بھولے ہوئے چیدہ چیدہ بزرگوں کی یاد بھی تازہ کی جائے جو کسی نہ کسی شعبۂ زندگی میں کچھ امتیازی حیثیت کے مالک رہے ہوں۔ سلسلۂ نسب کا اگر کہیں تذکرہ ہوگا تو وہ صرف ضمناً ہوگا اس کو سیرت کے موضوع سے کچھ سروکار نہ ہوگا۔

ہر کتاب کے لکھنے کا انداز اور طرز جدا ہوتا ہے۔ بعض کتابیں

عام مذاق و ضرورت کا لحاظ رکھکر لکھی جاتی ہیں اور بعض مخصوص نظریہ کے ماتحت۔ یہ کتاب کسی عام استفادے کے خیال سے نہیں لکھی گئی ہے بلکہ اس میں چند خانوادوں کا تذکرہ اور نسب نامہ ہے اور انہیں چند خانوادوں کے افراد کی اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے لکھی گئی ہے کہ وہ اپنے آباد اجداد کے حالات، اور آپس کے تعلقات رشتہ داریاں شادی و بیاہ کے اصول۔ طرز معاشرت۔ میل جول۔ ربط و رسم تعلیم و تربیت و اخلاق و محبت سے واقف ہوں، اس کے علاوہ ان خانوادوں میں کچھ ہستیاں ایسی ہمہ گیر بھی گذری ہیں جن کی سوانح عمری کے مطالعے سے عوام بھی بڑی حد تک مستفیض ہو سکتے ہیں۔

ایسے شخص کے لئے جو خود بھی اس خاندان کا ایک رکن ہو بزرگوں اور عزیزوں کا تذکرہ یا سوانح لکھنی بڑا ہی نازک مسئلہ ہوتا ہے۔ "ذکر موتی بالخیر" الگ دامن گیر ہوتا ہے اور حق گوئی و صداقت الگ قدم قدم پر راہ روکتی نظر آتی ہے جس کے بغیر مصنف حق دیانتداری و راست بازی ادا نہیں کر سکتا۔ سیکڑوں برس قبل کے واقعات کے متعلق کچھ لکھنا خصوصاً جبکہ اہل برادری کی غفلتوں اور لاپرواہیوں کی وجہکر کافی سے زیادہ مواد بھی تلف ہو چکے ہوں، مجھ کو جن مصیبتوں اور پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑا ہے اس کا تذکرہ لاحاصل ہے، کتنی لائبریریوں اور غیر لوگوں کے ذاتی کتب خانوں سے پرانی کتابیں قلمی تذکرے اور پرانے کئی کئی برس کے پرچوں، رسالوں اور یاد

داشتوں کو لاکر جن میں بہت کچھ کرم خوردہ بھی ہیں، ورق گردانی کرنی پڑی ہے، ان دشواریوں کو کچھ میں ہی جانتا ہوں خاندان کے کسی شخص نے ہمارا ہاتھ نہ بٹایا اور بعض کم فہموں نے تو میری اس سعی پر ہمت شکن الفاظ کے ساتھ ساتھ تمسخر سے بھی نوازا۔ مگر کچھ ایسی ہستیاں اب بھی موجود ہیں جن کی محبت نے میرے حوصلے کو بلند رکھا اور کئی سال کی شبانہ روز محنتوں کے بعد بحمد اللہ یہ کام انجام پاگیا۔ میری یہ بے انصافی ہوگی اگر میں اپنے بزرگِ محترم جناب نواب سید عسکری حسن صاحب عسکری بدہن پورہ مظفر پور کا شکریہ ادا نہ کروں جن کی وجہ کر مجھ کو مظفر پور کے خاندان کے حالات لکھنے میں بڑی سہولت ہوئی، نیز عزیزی نواب سید محمد علی خاں عرف شین میاں ابن نواب سید جابر علی خاں صاحب مرحوم حسین آباد کا بھی بیحد شکر گزار ہوں جنہوں نے اپنے والد مرحوم کے جمع کئے ہوئے مواد مجھے عنایت کئے جن سے حسین آباد کے خاندان کے حالات لکھنے میں بڑی مدد ملی۔
آخر میں اپنے بزرگوں اور عزیزوں سے اتنی گزارش ہے کہ میں انسان ہوں اگر کسی قسم کی غلطی تاریخ و سن کے علاوہ نظر آئے تو اس کو عمداً تصور نہ فرمائیں بلکہ میری تلاش نا تمام پر محمول فرمائیں خود اُس کی تصحیح فرمالیں اور مجھ کو بھی مطلع فرما کر منت گزاری کا موقع دیں۔
میں اپنے بزرگوں اور عزیزوں کی روحوں سے بھی معذرت

خواہ ہوں کہ جو کچھ میں نے اُن حضرات کے متعلق لکھا ہے وہ میرے حاصل کردہ معلومات کے حدود کے اندر ہیں، اُن کو کسی قسم کے ذاتی جذبات سے کوئی تعلق نہیں۔

خاکپائے اسلاف
محمود علی صبا

عرض حال

کئی سال کی مسلسل تلاش و جستجو اور مواد کی دستیابی کتاب کی ضخامت بڑھاتی چلی گئی۔ مجبوراً کتاب کو دو حصوں میں منقسم کرنا پڑا۔ پہلے حصہ میں آنحضرت صلعم کا سلسلہ نسب اور ائمہ مطہرین کی اولاد در اولاد اور ان کی مختلف شاخوں کا جو دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں تذکرہ ہے۔ یہ حصہ بڑا اہم ہے۔

دوسرے حصہ میں پٹنہ، مونگیر، مظفرپور، بھاگلپور، غازیپور اور بنارس کے چند مخصوص خانوادوں اور ان کی مختلف شاخوں کا تذکرہ ہے۔ ۱۹۵۶ء میں جب یہ کتاب تکمیل کو پہنچی تو ان مختلف خانوادوں کے چند صاحب ثروت نے اسے اپنے اخراجات سے شائع کرنے کا وعدہ کیا۔ لیکن یہ وعدہ وعدہ ہی رہا۔ اپنے بزرگوں کی یاد تازہ رکھنے سے موجودہ اخلاف کی بے اعتنائیوں کو دیکھتے ہوئے نواب سید مہدی حسن خاں عرف منن نواب سلمہ اللہ تعالیٰ اور اس ناچیز نے سردست یہی مناسب سمجھا کہ خانوادۂ دولی گھاٹ اور سنگی دالان کا حال شائع کر دیا جائے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس کتاب کی اشاعت کے بعد اور خانوادوں کے اخلاف کا طرز عمل کیا رہتا ہے۔ دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں توفیق عطا فرمائے۔

محمود علی صبا

۱۳ رجب ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۸ نومبر ۱۹۶۴ء

محمود علی ’صبا‘ عظیم آبادی



ولادت ۱۳ رجب سنہ ۱۳۲۵ھ / ۲۳ اگست سنہ ۱۹۰۷ء یوم جمعہ

مسکن "کاشانہ" سنگی دالان پٹنہ سیٹی

مقدمہ

از محمود علی خاں صبا

عرب کی تاریخ و علمائے انساب کی کتابیں پڑھنے سے پتا چلتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عرب مختلف قبائل و گروہ میں بٹے ہوئے تھے اور ہر قبیلے و گروہ کا ایک سردار ہوتا تھا جس کے ماتحت وہ اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔ اِن قبائل میں ایک خاص خصوصیت مشترک تھی یعنی ہر گروہ و قبیلہ کے افراد اپنے خاندان کا شجرہ ستر ستر پشتوں تک کا زبانی یاد رکھتے تھے۔ اور اسی بات پر اُنھیں فخر و ناز تھا۔ اجتماعی حیثیت سے تو یہ عرب کہلاتے تھے مگر قبائلی حیثیت سے ان کی تین قسمیں تھیں۔ ایک عرب بائدہ جن میں عاد، ثمود، عمالقہ، طسم، و جدیس وغیرہ شامل تھے۔ یہ وہ قبائل ہیں جو اسلام سے بہت قبل زمانہ کے تاریک پردوں میں روپوش ہو گئے اور ان کے حالات سے تاریخ بالکل خاموش ہے۔ البتہ زمانۂ جاہلیت کے اشعار اور الہامی کتابوں میں کہیں کہیں ان کے نام آجاتے ہیں۔

دوسرے عرب عاربہ جس میں بنو قحطان اور یمن کی آبادی شامل تھی۔ ان کے مشہور بطون حمیر، کہلان و بنی عمرو وغیرہ ہیں۔ ان کے حالات تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں اور عرب میں ان کی

بعض عظیم الشان یادگاریں ہنوز پائی جاتی ہیں۔

تیسرے عرب مستعربہ یعنی حجاز اور نجد کی آبادی۔ انہیں آلِ اسمٰعیل (اولادِ اسمٰعیل بھی کہتے ہیں۔ ظہورِ اسلام کے وقت بنو اسمٰعیل جن کو عدنانی بھی کہتے ہیں ملک کے اصلی باشندے تھے۔ یہ متعدد قبائل میں بٹے ہوئے تھے۔ مہاجرین کے اکثر خاندان کا سلسلۂ نسب اسی قبیلہ سے ملتا ہے۔ اور یہی قبیلہ میرا موضوع ہے۔ اس لئے اس کے متعلق تھوڑا بہت جان لینا سود مند ہوگا۔

حضرت ابراہیمؑ نے جب اپنی بیوی ہاجرہ اور اپنے بیٹے اسمٰعیل کو ام القریٰ (مکہ) کے مشہور پہاڑ فاران کی وادیٔ غیر ذی زرع میں لے جاکر بسایا تو اُس وقت اُس علاقہ میں جرہمی قبائل آباد تھے۔ اُن ہی قبائل کے ایک سردار مضاض بن عمرہ جرہمی کی لڑکی سے حضرت اسمٰعیلؑ نے شادی کی اور ان سے جو نسل چلی وہ عرب مستعربہ کے نام سے موسوم ہوئی۔ حضرت اسمٰعیلؑ کو اُن سے بارہ اولاد ہوئی جن کے نام تورات میں مذکور ہیں اُن میں سے ایک کا نام قیدار تھا۔ قیدار کی نسل میں سب سے مشہور عدنان گذرا ہے۔ قریش کے تمام قبائل و مہاجرین کے بیشتر قبیلوں کا سلسلۂ نسب عدنان تک آکر ختم ہو جاتا ہے۔ اس طرح تاریخ نسب کی تین کڑیاں بنتی ہیں ایک حضرت اسمٰعیلؑ سے عدنان تک۔ دوسری عدنان سے فہر تک اور تیسری فہر سے آنحضرت صلعم تک۔

آل اسمٰعیل گو بدوانہ زندگی بسر کرتے تھے مگر عام بدوؤں کی طرح ان کے قبائل منتشر نہ تھے بلکہ اجتماعی طور پر اپنی معاشرتی زندگی میں ایک خاص نظام کے ماتحت منظم تھے جس کا اثر یہ تھا کہ بنو اسمٰعیل کے علاوہ بنو جرہم اور اطراف و جوانب کے دیگر قبائل آل اسمٰعیل کے اطاعت گذار تھے۔ رفتہ رفتہ آل اسمٰعیل نے ترقی کی اور تجارت کرنے لگے اور اس سلسلہ میں دور دراز ملکوں کو مالِ تجارت لیکر جانے لگے۔ چنانچہ وہ مشہور قافلہ جس نے حضرت یوسفؑ کو کنوئیں سے نکالا تھا اسمٰعیلی تھا اور بغرض تجارت مصر جا رہا تھا۔

یوں تو بنی اسرائیل کے صحیفوں سے آل اسمٰعیل کی بزرگی اور اقتدار کا پورا پورا حال معلوم ہوتا ہے مگر بنو اسمٰعیل کی مخصوص عزت و احترام کی درحقیقت اصل وجہ اُن کی ابتدا ہی سے خانہ کعبہ سے وابستگی تھی۔ خانہ کعبہ کی تولیت نے آلِ اسمٰعیل کو مذہبی پیشوا کی حیثیت دے رکھی تھی۔ تمام قبائل ان کا احترام کرتے تھے۔ چنانچہ بڑھتے بڑھتے آل اسمٰعیلؑ کا اثر و اقتدار اتنا زیادہ ہو گیا کہ خانہ کعبہ کی تولیت عرب کی بادشاہی کے مرادف سمجھی جانے لگی۔ حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد اس تولیت کا شرف ان کے بڑے بیٹے نابت کو حاصل ہوا۔ نابت کے انتقال کے بعد ان کے نانا مضاض بن عمرو نے یہ منصب حاصل کیا اور اس طرح حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل سے یہ سلسلہ دو ہی پشتوں کے بعد منقطع ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ آل اسمٰعیل کی

کثیر اولاد کے لئے ارضِ حرم میں گنجائش باقی نہ رہی اور لوگ اطراف و جوانب میں جاکر آباد ہونے لگے۔ جو چند نفوس رہ گئے تھے وہ تولیت خانہ کعبہ کے فرائض مناسب طور سے انجام نہیں دے سکتے تھے۔ چنانچہ مضاض جرہمی جو حضرت اسمٰعیلؑ کے سسر اور قبیلۂ جرہم سے تھے خانہ کعبہ کی تولیت پر قابض ہو گئے۔ مگر مضاض جرہمی کو سکون حاصل نہ ہو سکا کیونکہ سمیدع بن ہوبر عمالقی (جو بنی عمالقہ کا سردار تھا اور آلِ اسمٰعیل سے تعلق رکھتا تھا)، بنو جرہم میں اس اعزاز کو دیکھکر آمادۂ جنگ ہو گیا۔ کئی خوں ریز لڑائیوں کے بعد بنو جرہم کو شکست ہوئی اور وہ یمن کی طرف بھاگ گئے جہاں جاکر انہوں نے پناہ لی۔ مگر بنو جرہم نے جاتے جاتے حجر اسود کو اکھاڑ کر اس کو حرم کے دیگر تبرکات کے ساتھ چاہ زمزم میں پھینک کر کوئیں کو پاٹ دیا۔ اس تاریخ سے حرم کی تولیت اور مکہ کی سیادت پھر آلِ اسمٰعیل ہی میں لوٹ آئی اور ایک عرصہ کے بعد قصیٰ بن کلاب کو اپنا آبائی حق حاصل ہوا اور پھر چند پشتوں کے بعد عدنان تک یہ تولیت پہنچی۔ ابھی عدنان کا دور ہی تھا کہ بخت نصر کا ملک عرب پر زبردست حملہ ہوا، عدنان اس جنگ میں مارا گیا مگر اُس کے لڑکے معد کو آرمیا نبی نے بچا لیا جس سے آئندہ نسل پھیلی۔

عدنان کا سلسلۂ نسب باتفاق علمائے انساب حضرت اسمٰعیلؑ تک پہونچتا ہے، مگر درمیانی پشتوں کی تعداد اور اُن کے اکثر ناموں میں

اختلاف ہے۔ بعض عدنان سے حضرت اسمٰعیلؑ تک صرف آٹھ نو پشتیں بتاتے ہیں اور بعض کے نزدیک اِن کی تعداد چالیس تک پہونچتی ہے۔ علامہ سہیلی روضۃ الانف میں اور علامہ طبری دونوں لکھتے ہیں کہ معد بن عدنان سے حضرت اسمٰعیلؑ تک چالیس پشتیں تھیں اور استدلال میں اہلِ عرب کے اشعار اور علمائے انساب کے نام پیش کرتے ہیں اور عقلِ سلیم بھی یہی کہتی ہے کہ عدنان سے حضرت اسمٰعیلؑ تک چالیس پشتوں کا ہونا یقینی ہے کیونکہ اِن دونوں کے درمیان کافی زمانہ گذرا ہے۔ جن نسابان نے آٹھ نو پشتوں کا تذکرہ کیا ہے انھوں نے صرف اُن لوگوں کے ناموں کو لکھا ہے جو مشہور و معروف ہوئے ہیں اور اسی وجہ سے درمیانی پشتوں کی تعداد میں اختلاف رونما ہو جاتا ہے۔

عدنان کو کافی اولادیں ہوئیں عک اور معد ان میں بہت مشہور ہوئے مگر آئندہ نسل صرف معد کے لڑکے نزار سے پھیلی۔ اس سے پانچ مشہور قبیلے نکلے جن کو تاریخ عرب میں بہت اہمیت حاصل ہوئی۔ وہ یہ ہیں انمار، ایاد، ربیعہ، قضاعہ و مضر۔ ان میں انمار و ایاد کی نسل زیادہ نہ پھیلی البتہ ربیعہ، قضاعہ اور مضر کی اولاد کافی پھیلی اور دنیاوی اعزاز اور تاریخی اہمیت بھی اُن کو حاصل ہوئی۔

ربیعہ بن نزار کے متعدد اولادیں ہوئیں جن سے بڑے بڑے قبائل نکلے جنھوں نے بڑے بڑے دنیاوی اعزاز حاصل کئے۔ اور حکومتیں قائم کیں۔ ان کے سات مشہور قبیلے ہوئے اور پھر اُن کی

شاخ در شاخ ہوئی۔

قضاعہ بن نزار کو عام مورخین اگرچہ قحطانی النسل خیال کرتے ہیں مگر تحقیق یہ ہے کہ وہ عدنانی ہیں۔ حافی بن قضاعہ کے تین لڑکے تھے عمرو، عمران اور اسلم۔ انہیں تینوں سے مختلف شاخیں پھیلیں۔ ان کی حکومتیں حجاز سے لیکر شام و عراق تک پھیلی ہوئی تھیں اور ان کے حکمران قبائل میں تنوخ اور سلیم نے بڑا جاہ و جلال حاصل کیا۔ اور دونوں یکے بعد دیگرے شام کے تخت حکومت پر بیٹھے۔ شام کے علاوہ تبوک اور دومۃ الجندل میں بھی ان کی ریاستیں تھیں۔

مضر بن نزار نے اپنے دیگر دو بھائیوں ربیعہ و قضاعہ سے زیادہ شہرت و عزت حاصل کی اور تاریخی اہمیت میں بھی ان دونوں سے زیادہ ممتاز رہا۔ مضر کے دو لڑکے تھے الیاس و قیس عیلان۔ انہی دونوں کی نسل سے تمام مضری قبائل کا سلسلہ پھیلا۔ آل مضر میں بکر و تغلب کی ریاستیں حجاز میں تھیں۔

آل عدنان کی نسل جو نجد، حجاز اور تہامہ میں آباد تھی انہیں میں ایک شخص عمرو بن اللحی پیدا ہوا جس نے سب سے پہلے مکہ میں بت پرستی رائج کی۔ اس نے خانہ کعبہ میں ملک شام سے جہاں بت پرستی ہوتی تھی متعدد بت لاکر نصب کئے۔ چونکہ خانہ کعبہ حضرت اسمٰعیلؑ کے زمانہ ہی سے تمام عرب کا مذہبی مرکز تھا اور تمام اکناف عرب کے لوگ یہاں موسم حج میں جمع ہوتے تھے اس لئے بہت جلد آل عدنان نے بت پرستی

قبول کرلی۔ اور بڑی سرعت سے یہ وبا تمام عرب میں پھیل گئی۔ بت پرستی کے علاوہ آلِ عدنان میں یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت کا اثر بھی جابجا موجود تھا۔ چنانچہ قضاعہ اور ربیعہ میں نصرانیت کا اثر غالب تھا۔ بنی کنانہ میں یہودیت کے اثرات موجود تھے۔ بنی تمیم میں مجوسیت کی جھلک پائی جاتی تھی۔ تمیم اور کنانہ دونوں میں کچھ لوگ ستارہ پرستی کی طرف مائل تھے۔ اگرچہ ان تمام مذکورہ مذاہب کا اثر آلِ عدنان میں غالب تھا مگر خال خال اِن کا عام مذہب بگڑا ہوا ابراہیمی تھا۔

عدنانیوں میں سیکڑوں خوں ریز لڑائیاں بھی ہوئیں جو ایامِ عرب کے نام سے مشہور ہے۔ یہ دو قسم کی ہیں ایک وہ لڑائیاں جو آلِ عدنان اور دوسری نسل سے ہوئیں اور دوسری خود عدنانیوں کی خانہ جنگیاں ہیں۔ اِن کے تذکروں کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔

قریش کی وجہ تسمیہ

آلِ عدنان میں نضر بن کنانہ نے بڑا غلبہ، قوت و شہرت حاصل کی۔ چنانچہ اس کے قبیلے والوں نے اس کو "قریش" کا خطاب دیا۔ بحرِ عرب میں ایک خاص قسم کی بہت بڑی مچھلی ہوتی ہے جو بے حد طاقتور ہوتی ہے اور تمام دریائی جانوروں کو کھاتی ہے عرب اس کو "قریش" کہتے ہیں اور اسی مناسبت سے یہ خطاب نضر کو دیا گیا تھا۔ چنانچہ

تمام بنو نضر کا خطاب قریش پڑ گیا۔ مگر چونکہ نضر کی نسل میں صرف اُس کے پوتے فہر بن مالک جو تیسری صدی عیسوی میں گذرا ہے نسل پھیلی اس لئے یہ خطاب بھی فہر کی طرف منتقل ہو گیا اور بنو فہر سب کے سب قریش کہلانے لگے۔ نضر کے بعد فہر اور فہر کے بعد قصیٰ بن کلاب (۵ صدی عیسوی) نے نہایت عزت و اقتدار حاصل کیا، اُس زمانہ میں حرم کے متولی حُلیل خزاعی تھے۔ قصیٰ نے حُلیل کی صاحبزادی سے جن کا نام حبّیٰ تھا شادی کی تھی۔ اس تعلق سے حُلیل نے مرتے وقت وصیت کی کہ حرم کی خدمت قصیٰ کو سپرد کی جائے اس طرح یہ منصب اُن کو حاصل ہو گیا۔ قصیٰ نے بڑے بڑے نمایاں کام کئے۔ حرم کی خدمت کے لئے انہوں نے مختلف محکمے قائم کئے مثلاً سقایہ، رفادہ وغیرہ۔ ان کاموں کی وجہ کر قصیٰ نے اس قدر شہرت و اعتبار حاصل کیا کہ علامہ ابن عبد ربہ نے عقد الفرید میں لکھا ہے کہ قریش کا لقب اول قصیٰ کو ملا چونکہ قصیٰ نے تمام بنو اسمٰعیل کے خاندان کو جمع کر کے کعبہ کے آس پاس بسایا تھا اسی لئے ان کو قریش کہتے ہیں کیونکہ تقرش کے معنی جمع کرنے کے ہیں، اسی بنا پر ان کو مجمّع بھی کہتے ہیں۔ قصیٰ نے ۴۸۰ء میں انتقال کیا اور اس کا بیٹا عبد الدار اس کا جانشین ہوا۔ عبد الدار کے بعد اس کے پوتوں اور اس کے بھائی عبد المناف کے بیٹوں میں مکہ کی حکومت کے لئے تنازعہ شروع ہو گیا۔ اس تنازعہ کا تصفیہ تقسیم اختیارات پر ہوا۔ مکہ کی آب رسانی اور ٹیکس وصول کرنے کا عہدہ عبد مناف کے بیٹے

عبدالشمس کو دیا گیا۔ کعبہ کی تولیت اور فوجی علم عبدالدار کے پوتوں کو
مل گئے۔ عبدالشمس نے اپنے اختیارات اپنے بھائی ہاشم کے سپرد کر دیا۔
ہاشم اپنی مسافر نوازی کے لئے مشہور تھا۔ اس نے ۵۱۰ء میں وفات
پائی۔ اُس کا بھائی مطلب جانشین ہوا۔ مطلب نے ۵۲۰ء کے اختتام
پر انتقال کیا۔ اس کا بھتیجا عبدالمطلب کے لقب سے جانشین ہوا۔ ۵۹
سال تک مکہ کی حکمرانی کی۔ عبدالمطلب ہی کے زمانہ میں حبشہ کے بادشاہ
نے مکہ پر حملہ کیا تھا۔

قریش کے عام حالات اور آپس کی رشتہ داریوں کو سمجھنے کے
لیے اِن کے قبائل کی تقسیم بھی سمجھ لینی بہت ضروری ہے۔ قریش ایک
خاندان کا نام نہیں ہے بلکہ چھوٹے بڑے دس خانوادوں پر مشتمل ہے
جو سب کے سب فہر کی نسل سے ہیں۔ فہر کے تین لڑکے محارب، حارث و
غالب۔ محارب و حارث کی نسل زیادہ نہ پھیلی تاہم بعض اکابر صحابہ اور
ناموارانِ اسلام اس سے تعلق رکھتے تھے۔ چنانچہ ضحاک بن قیس، خرار
بن خطاب و کرز بن جابر وغیرہ بنو محارب تھے اور ابو عبیدہ بن جراحؓ
(یکے از عشرہ مبشرہ) عقبہ بن نافع (فاتح افریقہ و بانی شہر قیروان و
عبدالملک بن قطنی والی اندلس وغیرہ بنو حارث سے تھے۔

البتہ غالب کی اولاد بہت زیادہ پھولی پھلی۔ قریش کے دسوں
خانوادے اس کی نسل سے تھے جنہیں سیادت مکہ حاصل تھی اور جو اپنی
بزرگی و شرافت میں تمام جملہ قبائل میں ممتاز سمجھے جاتے تھے۔ اور جن کے

اخلاف اپنے آبائی عہدہ کے متولی ہو کر ملکی و مذہبی انتظامات کیا کرتے تھے اور بعض خاندانوں میں اسلام نے بھی اُن کی تولیت کو باقی و برقرار رکھا۔ بہ حوالہ ابن منذر اب ہم اُن دس قبایل میں سے ہر ایک کی خدمت کا ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں جن خاندانوں میں قریش کی شرافت و بزرگی اسلام سے متصل زمانہ تک تولیت کے طور پر نسلاً بعد نسلاً چلی آتی تھی، وہ دس خانوادے یہ ہیں۔

(۱) بنی ہاشم۔ قریش کے دس خانوادوں میں یہ سب سے زیادہ ممتاز تھے۔ اس قبیلہ کے سردار جناب ہاشم تھے جن کا لقب سید العرب تھا۔ چنانچہ تمام بنو ہاشم سید العرب کے ممتاز نام سے مشہور ہوئے۔ اور قریش کی دوسری شاخیں شیوخ کہی جاتی تھیں۔ ابتدائے اسلام کے وقت بنی ہاشم کے سردار عباس بن عبد المطلب تھے۔ اُن کا منصب سقایہ تھا یعنی ایام حج میں حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت اُن کے متعلق تھی۔ اور اسلام نے بھی ان کی اس خدمت کو باقی رکھا، حضرت رسول مقبول صلعم، حضرت عباس رضؓ، حضرت حمزہ رضؓ، حضرت مطلب و حضرت علیؓ انہیں کی اولاد میں ہیں۔ صحیح بخاری میں یہ روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلعم کے ارشاد موجود ہیں۔

"بعثت من خیر قرون بنی آدم قرنا فقرنا حتی کنت من القرن الذی کنت منہ" اللہ تعالےٰ نے مجھے قبائل کی شاخ در شاخ میں بہترین شاخ سے مبعوث فرمایا حتی کہ میں اُس قرن

سے پیدا ہوا جو میرا ہے۔

۲۔ بنی اُمیّہ:۔ اُس وقت اس قبیلہ کے سردار ابوسفیان بن حرب تھے۔ ان کا منصب علم داری تھا۔ ان کے پاس رائیۃ العقاب (جو قریش کے جھنڈے کا نام تھا) رہا کرتا تھا۔ اس جھنڈے کا رنگ سیاہ تھا اور اس پر عُقاب کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ جنگ کے موقع پر قریش کا جس پر اتفاق ہو جاتا عُقاب (فتح کا جھنڈا) یہ اُسی کو دے کر آگے روانہ کرتے۔ اس خاندان میں سلاطین بنو اُمیّہ دمشق و اندلس ہیں۔ ابوسفیان امیر معاویہ، حضرت عثمان رضؓ اور ام المومنین حضرت اُم حبیبہ رضؓ کا تعلق اس قبیلہ سے ہے۔

۳۔ بنی نوفل:۔ اس کے سردار حرث بن عامر تھے۔ ان کے پاس رفادہ (قومی فنڈ) رہتا تھا۔ قریش جو کچھ سالانہ غربا اور مسافروں کی امداد کے لئے دیا کرتے تھے وہ مال ان کے پاس رہتا تھا اور یہ اُس سے اُن کی خورد و نوش کا انتظام کیا کرتے۔ غریب و نادار حجاج کی مالی امداد اور خبر گیری بھی ان کے ذمہ تھی۔ اس کار خیر کی بنیاد قصیٰ نے ڈالی تھی۔

۴۔ بنی عبدالدار:۔ عثمان بن طلحہ اس خانوادے کے سردار تھے۔ ان کا منصب سدانہ، یعنی خانہ کعبہ کی تولیت و کلید برداری یا اس کی دربانی کرنا تھی۔ بعض مورخین نے بیان کیا ہے کہ ندوہ (مجلس شوریٰ) بھی انہیں کے متعلق تھا۔ یہی اس کا انتظام کیا کرتے تھے۔ مصعب بن عمیر رضؓ اس قبیلہ سے تھے۔

۵۔ بنی اسد:۔ اس خاندان کے سردار یزید بن ربیعۃ الاسود تھے۔ ان کا منصب دارالندوہ کی میر مجلسی (صدارت) متعلق تھی۔ دارالندوہ کے لئے قصیٰ نے خانہ کعبہ کے بالمقابل ایک عمارت تعمیر کرائی تھی۔ جنگ یا دیگر اہم موقعوں کے اوپر رؤسا اور سرداران عرب یہاں جمع ہو کر آپس میں مشورہ کرتے۔ اگرچہ قریش کے تمام کام پبلک کے مشورہ سے انجام پاتے تھے، تاہم بنو اسد کا قبیلہ مشورہ کے لئے مخصوص تھا، بغیر ان سے مشورہ کئے ہوئے کوئی کام انجام نہیں پاتا تھا۔ اس کے علاوہ دارالندوہ میں دیگر مذہبی تقریبات بھی انجام پاتی تھیں۔ اس قبیلے سے یزید بن ربیعۃ الاسود تھے جو رسول اللہ صلعم کے ساتھ طائف کی لڑائی میں شریک تھے اور جہاں انہوں نے جام شہادت نوش فرمایا۔ اس قبیلہ سے زبیر بن عوام رض (عشرہ مبشرہ) ورقہ بن نوفل اور ام المومنین حضرت خدیجہ رضی (زوجہ اول حضرت رسول کریم صلعم) وغیرہ تھیں۔

۶۔ بنی تیم:۔ اس خاندان کے امیر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ ان کا منصب اشناق یعنی عدالتی نظام تھا۔ ان کے پاس دیت۔ تاوان و مغارم (دیوانی و فوجداری کے مقدمات آیا کرتے تھے۔ اور یہی اُن کے فیصلے کیا کرتے تھے۔ اہم معاملات میں تمام قریش کو جمع کر کے مشورہ کرتے لیکن آخری فیصلہ انہیں کا ہوتا تھا۔ خون بہا کا فیصلہ بھی انہیں کے ذمہ تھا۔ حضرت طلحہ رض (عشرہ مبشرہ) عمر بن عبید اللہ۔ عبد اللہ بن جدعان وغیرہ کا تعلق اس قبیلہ سے تھا۔

۷۔ بنی مخزوم:۔ اس گروہ کے سردار خالدؓ بن ولید تھے۔ ان کا منصب قلبۃ تھا یعنی جنگ سے متعلق سامان مہیا کرنا۔ فوجی کیمپ کی دیکھ بھال اور اس کا انتظام کرنا۔ نوبت خانہ کا اہتمام بھی انہیں کے متعلق تھا۔ ہر ایک جنگ کے موقع پر انہی کے یہاں سے نوبت بجائی جاتی جس سے لوگ جمع ہو کر لشکر تیار کرتے۔ خالدؓ بن ولید، عیاشؓ بن ربیعہ، ابو سلمہ، ابو جہل اور ام المومنین حضرت ام سلمہؓ اسی قبیلہ سے تھے۔

۸۔ بنی عدی:۔ اس خاندان کے امیر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ ان کا منصب سفارت و منافرت تھا یعنی حکومتوں و دیگر قبائل کے درمیان مراسلت کرنا۔ جب کسی قوم سے نزاع ہوتی تو آپ سفیر بنا کر بھیجے جاتے۔ یا کوئی قبیلہ قریش سے منحرف ہو جاتا تو آپ اس جانب سے اُس پر نفرت ظاہر کرنے کے لئے بھیجے جاتے۔ سعید بن زیدؓ (عشرہ مبشرہ) اسی قبیلہ سے تھے۔

۹۔ بنی جمع:۔ صفوان بن امیہ اس گروہ کے سردار تھے۔ ازلام و ایسار کا منصب ان کو حاصل تھا یعنی محکمہ فال کا انتظام۔ خانہ کعبہ میں کچھ تیر (سات عدد) رکھے ہوئے تھے۔ جن سے اہم ضرورت کے وقت استخارہ کیا جاتا تھا اگر درست آتا تو کرتے ورنہ نہیں۔ عثمان بن مظعونؓ اور ابو محذورہ موذن آنحضرت صلعم کا تعلق اس گروہ سے تھا۔

۱۰۔ بنی سہم :۔ حرث بن قیس اس خاندان کے سردار تھے۔ اموالِ محجرہ کا منصب اِن کے سپرد تھا۔ ان کے نزدیک وہ مال رہتا تھا جو عرب بتوں کے نام پر چڑھاتے تھے۔ حجاج و زائرین کعبہ قبول پر بڑے بڑے چڑھاوے چڑھایا کرتے اور جائیدادیں وقف کرتے تھے۔ اسلئے اوقاف و محاصل کا انتظام ان کے سپرد کیا گیا۔ اس قبیلہ سے عمرو بن العاص فاتح مصر تھے۔

قریش کے ان چند مشہور خانوادوں کے علاوہ کچھ اور چھوٹے گھرانے تھے جن کو انہیں کی شاخ سمجھنا چاہیئے۔

(۱) بنو زہرا :۔ خاندان حضرت آمنہ (والدہ آنحضرت صلعم) عبدالرحمٰن بن عوف (عشرہ مبشرہ) و سعد بن وقاص (عشرہ مبشرہ)

(۲) بنو عبدالعزیٰ :۔ خاندان ابو العاص داماد رسول کریم صلعم یعنی آنحضرت کی بڑی صاحبزادی حضرت زینب رضہ کے شوہر۔

(۳) بنو جب :۔ خاندان عبداللہ بن عامر والی عراق۔

(۴) بنو امیہ اصغر۔

قریش کے مذکورہ خانوادے طرز زندگی کے اعتبار سے دو قسم کے تھے ایک قریش الظواہر دوسرے قریش البطائح۔ قریش الظواہر قریش کے وہ قبائل کہلاتے تھے جو عام بدوں کی طرح خانہ بدوش

زندگی بسر کرتے تھے۔ اُن قبائل کے نام یہ ہیں۔
(۱) بنو قصی بن کلاب، (۲) بنی کعب بن لوئی، قریش البطائح وہ کہلاتے تھے جو مکہ میں آباد تھے اور متمدن زندگی بسر کرتے تھے۔ اُن کے نام یہ ہیں بنو محارب، بنو تیم الادرم، بنو خزیمہ بن لوی، بنو سعد و بنو حارث۔

جیسا اوپر لکھا جا چکا ہے عرب بحیثیت قبائل دو حصوں میں منقسم تھے ایک عدنانی دوسرے قحطانی، عدنانی عرب قحطانی عرب پر مقدم کئے جاتے تھے یہ اس لئے کہ نبوت انہیں کے گھرانے میں تھی۔ بنو قریش چونکہ عدنانی النسل تھے اور خانہ کعبہ کی تولیت انہیں سے وابستہ تھی اس لئے بنو قریش کو تمام عرب پر ہر ایک طرح کی فضیلت اور بزرگی حاصل تھی۔ مگر بنی قریش کے دس خانوادوں میں بنی ہاشم سب سے زیادہ ممتاز تھے اور سید العرب کہلاتے تھے۔ اس کے بعد اُن خانوادوں کا درجہ تھا جو بنی ہاشم سے نسبتی قرابت میں درجہ بدرجہ زیادہ نزدیک تھے۔ گویا بنی ہاشم اس ترتیب سے قطب و مرکز تھے۔ نسب کی فضیلت و دیگر بزرگی کے علاوہ جب خداوند کریم نے حضرت رسول کریم صلعم کو سید المرسلین و سید الانبیا بنایا اور اُن کی نور دیدہ سیدۃ النساء للعالمین اور اُن کے نواسے کو سید شباب اہل الجنہ کے معزز خطاب سے ممتاز فرمایا تو تمام بزرگی و فضیلت سمٹ کر بنی ہاشم کے اس مختصر سے خاندان

میں آگئی اور لفظ سید محض بنی فاطمہ سے منسوب ہو گیا۔ صحیح مسلم میں بہ روایت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ، حضور کا ارشاد ہے:۔

ان اللہ اصطفی کنانۃ من ولد اسمعیل واصطفی قریشا من کنانۃ واصطفی من قریش بنی ھاشم واصطفانی من بنی ھاشم۔ اللہ تعالے نے نسل اسمعیل میں سے کنانہ کو برگزیدہ کیا اور بنو کنانہ میں سے قریش کو برگزیدہ کیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو برگزیدہ کیا اور مجھے بنو ہاشم میں سے برگزیدہ فرمایا۔

الغرض سادات بنی فاطمہ کے سلسلۂ نسب کا جائزہ لیجیے تو معلوم ہوگا کہ تمام فضیلت و بزرگی کے ساتھ ساتھ نسلی حیثیت سے یہ وہ پاک و مطہر خانوادہ ہے جس کا سلسلہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے ملتا ہے جو بہت بڑا موحد اور خانۂ خدا کا پہلا معمار اور دین حنیف کا معلم اول تھا۔ پھر آنحضرت صلعم کی نسبت سے جو بزرگی اور فضیلت اس خانوادہ کو حاصل ہوئی اس کی ہمسری دنیا کا کوئی دوسرا خاندان یا کنبہ نہیں کر سکتا۔ جب بنی فاطمہ کے اسلاف ایسے ہوں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ اخلاف کی بزرگی اور فضیلت ہمہ گیر نہ ہو۔ یہ دیانتداری کے خلاف ہوگا کہ اسلاف کے ساتھ اخلاف کا تذکرہ نہ کیا جائے۔ چنانچہ تمام آئمہ مطہرین اور ان کی ازواج کے ناموں کے ساتھ ان کی اولاد در اولاد کا بھی نام دیدیا گیا ہے اور حتی الامکان مکمل اور جامع فہرست دینے کی کوشش کی گئی ہے اور جہاں جہاں

مختلف فرقوں کے مشہور علمائے انساب میں اختلاف ہے اُس کو علحدہ علحدہ لکھ دیا گیا ہے یہ فہرست اس لئے درج کتاب کی گئی ہے کہ سادات اپنے بزرگوں کے نام اور سلسلۂ نسب سے واقف ہوں۔

یہ بات خاص طور پر مدِ نظر رہے کہ اسلاف و اخلاف دونوں کے تذکروں میں صرف اولاد نرینہ سے سلسلہ دکھلایا گیا ہے اور اُناث کے سلسلوں کا تذکرہ نہیں، اور وہ صرف اس لئے کہ سلسلۂ نسب مردوں سے لیا جاتا ہے عورتوں سے نہیں۔ اگر بیوی کا نسلی اعتبار سے افضل و اعلیٰ ہونا ضروری ہوتا تو پھر انبیا علیہم السلام آئمہ طاہرین و دیگر بزرگان دین اپنی شریک زندگی کے انتخاب میں بڑی احتیاط سے کام لیتے اور کسی غیر کفو یا غیر برادری و ذات کی عورت سے شادی نہ کرتے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اِن بزرگ ہستیوں نے ارشادِ خداوندی کو مدِ نظر رکھا اور عورت کی ذاتی خوبی و کردار کو دیکھ کر اُن سے عقد کیا۔

چنانچہ حضرت اسمٰعیلؑ نے بنی جرہم کی ایک عورت سے شادی کی تھی۔ اگر اُن کی بیوی کا سلسلۂ نسب لیا جائے تو پھر بڑی قباحت ہو گی۔ یہ ہمارے مورث اعلیٰ ہیں۔ اس ہی طرح اخلاف رسول کریم صلعم میں حضرت امام حسینؑ نے حضرت شہر بانو سے جو یزدجرد شاہ عجم (ایران) کی صاحبزادی تھیں اور زرتشت مذہب کی پیرو تھیں اور جنگ میں بحیثیت کنیز گرفتار ہو کر آئی تھیں اُن کو آزاد کر کے دین

اسلام میں لاکر عقد کر لیا۔ دوسرے حضرت امام باقر علیہ السلام کی شادی اُمِ فروہ بنت قاسم بن محمد سے ہوئی تھی جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پرپوتی تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رض قریش کے مشہور قبیلہ بنی تیم سے تھے جو شیوخ کہلاتے تھے۔ ام فروہ کے بطن سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ تیسرے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی شادی اُمِ الفضل بنت خلیفہ مامون الرشید سے ہوئی تھی جن کے بطن سے حضرت امام علی نقی علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اس کے علاوہ اور بھی آئمہ مطہرین ہیں جن کو غیر کفو اور کنیزوں کے بطن سے اولادیں ہوئیں جو سادات کے مورث اعلیٰ و جد امجد ہیں۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ بیوی کے نسل کا کچھ خیال و لحاظ نہ رکھا جائے بلکہ کفو دیرادری میں شادی بیاہ کرنا بہتر و احسن ہوگا سادات بنی فاطمہ میں نسلی حیثیت سے حسنؑ، حسینؑ، زینبؑ و کلثوم رضؓ کا درجہ غیر معمولی درجہ کا حامل ہے اس لئے کہ ان لوگوں کو دونوں جانب سے نسلی فضیلت و بزرگی حاصل ہے۔

یہاں ایک بات اور واضح کر دینی بہت ضروری ہے، آپ جتنے بھی شجرے ملاحظہ کریں گے تو دیکھیں گے کہ ایک ہی سلسلہ کے بزرگوں کے نام کے ساتھ کہیں 'سید' کہیں 'شیخ'، و کہیں 'شاہ' ہے۔ جس سے ناواقف حضرات کو بہت کچھ دھوکا ہوتا ہے۔ یہ بات

تو علم میں ہے کہ بنو ہاشم سید العرب کہلاتے تھے اور قریش کے دوسرے خانوادے شیوخ کہلاتے تھے مگر ان لوگوں میں آپس میں برابر شادیاں ہوتی رہیں۔ چنانچہ سادات بنی فاطمہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ ان کی اولادوں اور قریش کے دوسرے خانوادوں سے برابر شادی بیاہ کا سلسلہ قائم رہا جس کی مثال اوپر دی جا چکی ہے۔ اتنا ضرور ہوا کہ سادات بنی فاطمہ کے گھرانے کی جو لڑکیاں شیوخ میں بیاہی گئیں اُن کی اولاد باپ کے خطاب کی مناسبت سے شیخ کہلائی اور اس طرح سگے ممیرے دپھوپھیرے بھائی 'سید' و 'شیخ' ہو گئے۔

دوسرے عرب میں لفظ 'شیخ' بمعنی بزرگ کے آتا ہے۔ چونکہ قریش کے کل خانوادے جن میں بنو ہاشم بھی شامل ہیں عرب میں ممتاز اور بزرگ سمجھے جاتے تھے، اس لئے اُن کا خطاب 'شیخ' قرار پایا۔ بنو ہاشم چونکہ قریش کے دیگر خانوادوں میں سب سے زیادہ ممتاز تھے اس لیئے ان کا خطاب سید العرب ہوا۔ لہذا بنو ہاشم کی اکثر اولادوں نے قریش کے دیگر خاندانوں سے برادری کو استوار و مراسم کو مستحکم رکھنے کے خیال سے قریش کے عام خطاب "شیخ" کو اپنے نام کے ساتھ باقی رکھا، اور اس میں انہیں کسی قسم کی قباحت معلوم نہ ہوئی۔

پانچویں صدی کے آخر میں اسلام میں تصوف کا زور ہوا اور خانقاہیں تعمیر ہونے لگیں اور لوگ جوق در جوق کسی نہ کسی صوفی

بزرگ کے حلقہ بگوش ہونے لگے۔ مریدانِ باصفا نے اُن بزرگوں کو جو اُن کے دلوں پر حکومت کرنے لگے تھے عقیدت سے "شاہ" کہنے لگے۔ اس طرح قریش و بنو ہاشم یا سادات بنی فاطمہ کے افراد کے ناموں کے ساتھ 'سید' و 'شیخ' کے جو الفاظ تھے وہ منقلب ہو گئے اور اُس کی جگہ لفظ "شاہ" مستعمل ہوگیا۔ عام طور پر اب یہی سمجھا جاتا ہے کہ جن لوگوں کے نام کے ساتھ لفظ 'شاہ' ہو اُن کا تعلق یقینی کسی خانقاہی خانوادے سے ہے۔

چنانچہ نوابانِ سنگی دالان عظیم آباد پٹنہ و نوابان حسین آباد ضلع مونگیر (صوبہ بہار) جو ایک ہی خاندان کی دو ڈال ہیں اُن کے سلسلۂ نسب کو دیکھیں گے تو آپ کو کچھ ناموں کے ساتھ لفظ 'سید' اور کچھ ناموں کے ساتھ لفظ 'شیخ' و کہیں "شاہ" نظر آئے گا۔ اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ اِن خانوادوں کے اسلاف بنی ہاشم کی اولاد نہیں بلکہ قریش کے دوسرے قبیلے سے ہیں۔ ان دونوں خانوادوں کے جد اعلیٰ جناب موسیٰ مبرقع ہیں جو حضرت امام محمد تقی ؑ کے دوسرے صاحبزادے اور حضرت امام علی نقی ؑ کے سگے چھوٹے بھائی تھے۔ یہ بات اور ہے کہ موسیٰ مبرقع کی اولادوں کی شادیاں زیادہ تر قریش کے مشہور قبیلہ بنی تیم میں ہوئیں جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبیلہ تھا۔ اور اس طرح یہ لوگ باپ کی جانب سے بنی ہاشم اور ماں کی جانب سے شیخ صدیقی ہیں۔ اگر اس بات کو تسلیم کرلیا جائے

تو پھر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی اولاد بھی شیخ صدیقی کہلائیگی کیونکہ آپ کی شادی اُم فروہ بنت قاسم سے ہوئی تھی جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پرپوتی تھیں۔ چونکہ نسل باپ سے لی جاتی ہے اس لئے موسیٰ مبرقع کی اولاد اپنے جد امجد حضرت امام رضا علیہ السلام کے نام سے اپنے کو منسوب کرتی ہے اور خود کو رضوی کہتی و لکھتی ہے۔

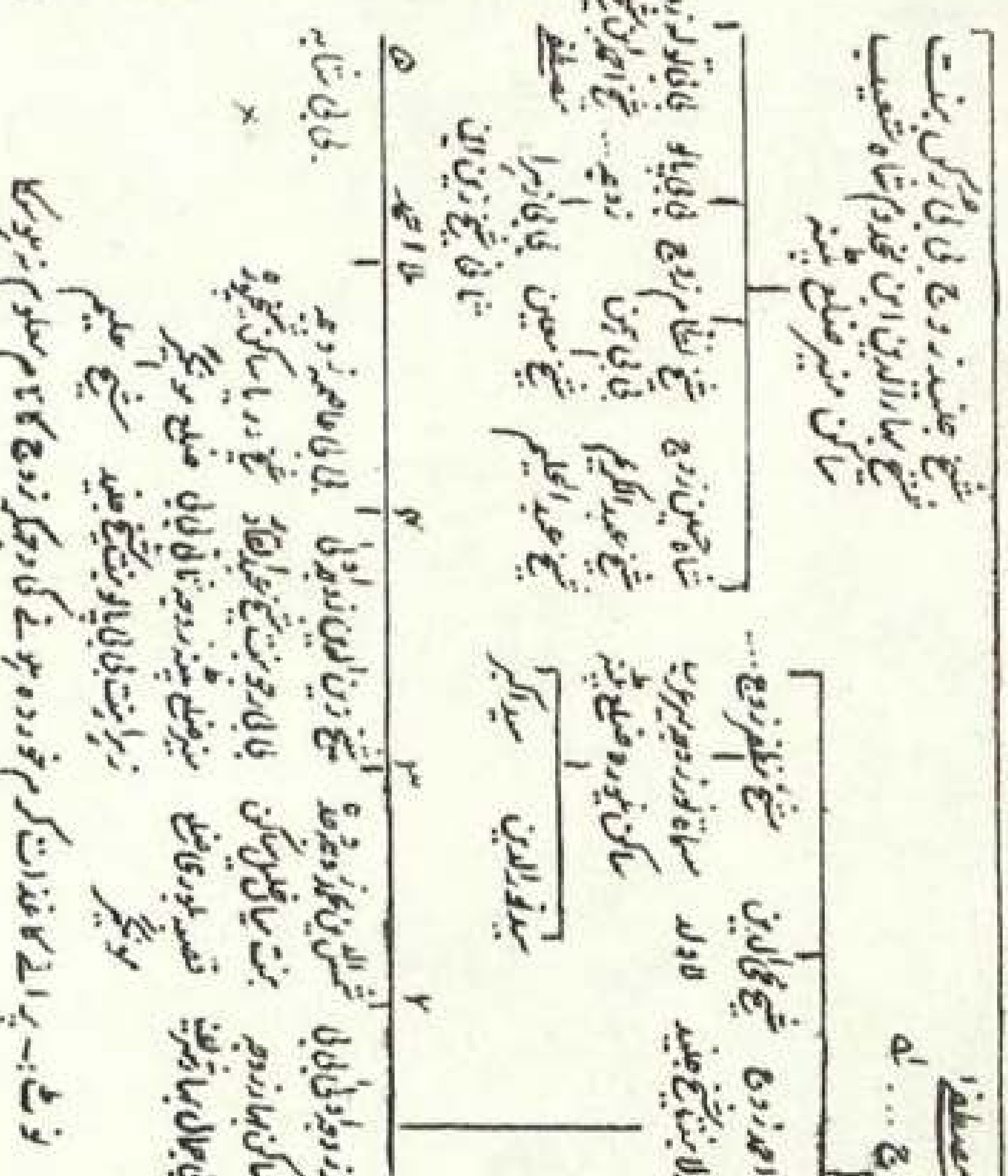
دوسرے ان دونوں خاندانوں میں نسل کی سیادت کے علاوہ دنیاوی و دینی اعزاز بھی حاصل ہوا۔ محمد مکی جو اس خاندان کے ایک بزرگ ہیں ملک روم کے گورنر تھے ان کے صاحبزادے مخدوم نظام الدین کی شادی قیصر روم کی بھانجی سے ہوئی تھی۔ اس لئے عرب کے امتیازی اعزاز کے طور پر یہ لوگ "شیخ" کہلاتے تھے۔ اور بھی حضرات ایسے گذرے ہیں۔ جنہوں نے دنیاوی اعزاز حاصل کئے۔ یہاں ان کو صراحت سے لکھنے کا موقع نہیں۔ دینی حیثیت سے بھی اس خاندان کے بزرگوں نے بڑے بڑے مدارج حاصل کئے۔ کتنے اس میں مخدوم ہوئے جن کا یہاں تذکرہ کرنا نہیں چاہتا اس لئے کہ یہ حضرات ملک عرب کی مقدس سرزمین پر رہے اور وہیں انتقال فرمایا۔ مگر ایک بزرگ ایسے ہیں جنہوں نے ہندوستان کی سرزمین میں کل مدارج حاصل کئے اور اپنے وقت کے مخدوم ہوئے۔ آپ کا اسم مبارک حضرت مخدوم شاہ شمس الدین فریادرس" ہے۔ آپ حضرت مخدوم سیدنا اشرف جہانگیر سمنانی (کچھوچھہ شریف)

کے خلیفہ تھے۔ آپ کی مختصر سوانح عمری اس کتاب کی بسم اللہ ہے۔

جہاں تک کتابوں کی ورق گردانی کرنے سے معلوم ہوا، اُس سے پتا چلتا ہے کہ سنگی دالان وحسین آباد کے خانوادوں کے بزرگوں کا مذہب سنی والجماعت تھا۔ اس خاندان میں سب سے پہلے جس نے مذہب اثنائے عشری اختیار کیا وہ ملا محمد نصیر مرحوم تھے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ امیر الامرا شائستہ خاں کی نظامت کے زمانہ میں اخوند ملا شاہ محمد شیرازی ایک شیعہ مجتہد عظیم آباد تشریف لائے۔ ملا محمد نصیر کی ملاقات آقا محمد مجتہد شیرازی سے ہوئی۔ اُن کے تبحر علمی کو دیکھ کر ملا محمد نصیر بے اختیار ہو گئے اور آقا محمد صاحب کے ہمراہ علم حاصل کرنے کی غرض سے ایران چلے گئے۔ ملا نصیر تین سال تک ایران میں رہے اور جامع الشرائط کی سند حاصل کی۔ ایران کے قیام کے دوران آپ کے مذہبی خیالات میں بھی فرق آیا اور آپ نے مذہب اثنائے عشری اختیار کیا۔ ملا محمد نصیر مرحوم کے بعد اُن کے بھتیجے اور داماد حاجی احمد علی قیامت نے مذہب اثنائے عشری کو اپنے خانوادے میں زیادہ فروغ دیا۔ آپ مسلسل سات سال تک نجف اشرف و کربلائے معلےٰ میں رہے اور جب واپس عظیم آباد آئے تو اپنے ہمراہ دو ضریح بھی کربلائے معلےٰ سے لیتے آئے۔ امام باڑے بنوائے اور عزاداری قائم کی، اس سے قبل عظیم آباد پٹنہ میں عزاداری کا رواج نہ تھا۔ رفتہ رفتہ افراد خاندان اثنائے عشری ہوتے گئے اور یہ دونوں

خاندان اہلِ تشیع کا خاندان ہوگیا۔ پھر بھی ان خاندانوں میں مذہبی منافرت کی شدت نہ ہوئی۔ حسین آباد کے خاندان میں چار پشتوں سے سُنّی خاندان میں شادیاں نہیں ہوئیں لیکن سنگی دالان کے خاندان میں اور خصوصاً نواب سید احمد علی خاں مرحوم کے گھرانے میں ہنوز سُنّی خاندانوں سے بیاہ ہوتا جاری ہے۔

محمود علی خاں صبا



شجرۂ حضرت موسیٰ مبرقع ابن حضرت امام محمد تقی علیہ السلام

و جد امجد

خاندان سنگی دالان پٹنہ و حسین آباد ضلع مونگیر

حضرت عبد المطلب

حضرت عبد اللہ — حضرت ابو طالب

حضرت محمد مصطفےٰ صلعم — حضرت علیؑ

حضرت فاطمہ زہرا — حضرت امام حسنؑ — حضرت امام حسینؑ

حضرت امام زین العابدینؑ

حضرت امام محمد باقرؑ

حضرت امام جعفر صادقؑ

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ

حضرت امام علی رضاؑ

حضرت امام محمد تقیؑ ← جناب موسیٰ مبرقع

جناب موسیٰ مبرقع
سید احمد کبیر
ابو البقا سید محمد الاعرج
سید ابی عبد اللہ نقیب قم

حضرت امام علی نقیؑ

حضرت امام حسن عسکریؑ

حضرت امام محمد مہدیؑ

سید ابوالحسن
|
سید احمد
|
سید علی
|
سید عیسیٰ
|
سید جعفر
|
سید احمد
|
سید ابی محمد
|
سید شاہ عیسیٰ
|
سید ابوالفتح
|
سید شاہ علی
|
سید شاہ حسین
|
سید میر یاد
|
سید محمد
|
سید محمود
|
سید شمس الدین
|
سید غیاث الدین عزیز
|
سید محمد
|
سید نظام الدین
|
سید شاہ شاہان

سید شاہ جہاں
|
سید شاہ قتلک ملک
|
سید منصور
|
سید مظفر
|
سید فخر الدین
|
شیخ محمد المکی
|
مخدوم شیخ نظام الدین المکی
|
مخدوم شاہ شمس الدین فریاد رس
|
فرید الدین قتال
|
شاہ بدیع الدین - یا شیخ فرید الدین عرف یمین ا
|
شاہ اللہ داد
|
شاہ بڈھن
|
شاہ بڑے
|
شاہ منجھن شہید

حضرت مخدوم شاہ شمس الدین فریادرسؒ

حضرت مخدوم شاہ شمس الدین عرف شاہ تمن فریادرسؒ حضرت مخدوم شاہ نظام الدین قدس سرہٗ بن محمدؐ مکی کے صاحبزادے تھے۔ آپ قیصرِ روم غیاث الدین کیخسرو ثالث (۶۶۶ھ/۱۲۶۷ء تا غایت ۶۸۲ھ/۱۲۸۳ء) آلِ سلجوق کے زمانہ میں ۶۶۹ھ/۱۲۷۰ء میں ملک روم (ایشیائے کوچک) میں پیدا ہوئے۔ آپ کم سن تھے کہ آپ کے والد حضرت مخدوم شاہ نظام الدین قدس سرہٗ ارضِ روم سے ہجرت کرکے مکہ معظمہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ چونکہ حضرت مخدوم نظام الدین کی شادی قیصر روم (غیاث الدین کیخسرو ثالث کی بھانجی سے ہوئی تھی اس لئے آپ مکہ معظمہ کے اکابر و رؤسا میں شمار کئے جاتے تھے۔ اس زمانہ میں مکہ میں حسنی خاندان کا ایک فرد قتادہ شریف مکہ تھا اُس نے خاندانِ قتادہ کی سنہ ۱۲۰۱ء میں بنیاد ڈالی اور جس کے خاندان نے سنہ ۱۹۲۵ء تک یعنی سوا سات سو سال تک حکومت کی، اس خاندان کا آخری شریف حسین ثانی تھا جس کو سلطان نجد ابن سعود نے سنہ ۱۹۲۵ء میں شکست دے کر، پورے ارضِ حجاز پر قبضہ کر لیا۔

سادات بنی فاطمہ و ہاشم اور بنو امیہ کے آپس کے شدید خاندانی اختلافات کا سلسلہ جو اکثر و بیشتر جور و استبداد کی صورت اختیار کرتا گیا بنو عباس کے زمانہ میں بھی جاری رہا، بنو عباس کے آخری خلیفہ مستعصم

(٦٢٠ھ/١٢٢٣ء لغایت ٦٥٦ھ/١٢٥٨ء) کو تاتاریوں نے شکست دے کر بغداد پر قبضہ کرلیا اور دولت عباسی کو (٦٥٦ھ/١٢٥٨ء) میں ختم کردیا۔ اس طرح عباسی خلافت مصر میں منتقل ہوگئی۔ حکومت کی تبدیلی سے جو انتشار پیدا ہوا اس سے عاجز آکر دوسرے مصری عباسی خلیفہ کے زمانہ میں اور حضرت مخدوم شاہ نظام الدین قدس سرہٗ کے وصال کے بعد، قاضی محمد رفیع الدین جو الحاکم بامر اللہ ابو العباس احمد (٦٦٠ھ/١٢٦١ء لغایت ٧٠١ھ/١٣٠٢ء) قیصر روم غیاث الدین کیخسرو ثالث کے قاضی القضاۃ تھے اپنے بھانجے حضرت شمس الدین کو لیکر مکہ سے ہجرت کرگئے، مصر، شام، عراق و ایران ہوتے ہوئے ٦٧٧ھ/١٢٧٨ء میں وارد ہندوستان ہوئے، اور موضع کولاعرف کولاپ پرگنہ منگلسی ضلع فیض آباد میں سکونت اختیار کی، اس وقت ہندوستان پر غلام خاندان کی حکومت تھی اور غیاث الدین بلبن (٦٦٤ھ/١٢٦٥ء لغایت ٦٨٨ھ/١٢٨٩ء) ہندوستان کا بادشاہ تھا۔

حضرت شمس الدین نے تمام علوم متداولہ اپنے ماموں حضرت قاضی محمد رفیع الدین سے حاصل کیے، اس اثنا میں حضرت سیدنا اشرف جہانگیر سمنانی بنگالہ سے جونپور ہوتے ہوئے فیض آباد تشریف لائے۔

"جب حضرت (سید اشرف جہانگیر) پہلی بار روح آباد پہونچے تو اکثر

؎ ماخوذ از سیرۃ الاشرف (لطائف اشرفی) حصہ اول مولفہ الحاج مفتی امیر احمد صاحب علوی بی۔اے کاکوروی ڈپٹی کلکٹر یو۔پی ص۳۰ نقل لطیفہ پانزدہم (بقیہ ص۳۸

اصحاب سے کہا کرتے تھے کہ ادھر سے ایک دوست کی خوشبو آتی ہے۔ اُس کی جستجو میں اجودھیا گئے مسجد میں نزول فرمایا۔ اکابر شہر ملاقات کو آئے، اُن میں ایک جوان شمس الدین نام تھے جو علوم ظاہری کی تکمیل کر چکے تھے اور فضائل صوفیہ کی تحصیل و تکمیل کے لئے مرشد کی تلاش میں تھے حضرت نے فرمایا فرزند شمس الدین میں تیرے ہی لئے یہاں آیا ہوں، یہ سنتے ہی شمس الدین بیتاب ہو گئے اور بہ صدق تمام آپ کے قدموں پر سر رکھ دیا، اسی وقت سے شمس الدین پر ایک کیفیت سی طاری ہوئی اور قلب میں حرارت پیدا ہو گئی، چند روز کے بعد خلوت میں بٹھایا، دس دن میں شمس الدین پر واردات کا نزول ہونے لگا اضطراب ایسا بڑھا کہ ضبط نہ کر سکے اور خلوت سے باہر نکل پڑے، خادم اُن کو کھینچکر خلوت میں لے گیا اور دروازہ بند کر لیا، جب خلوت تمام ہوئی تو خرقہ عنایت ہوا۔ ایسے بلند مقامات تک رسائی ہوئی کہ حضرت فرماتے تھے کہ ...... "اشرف شمس و شمس اشرف"

ہم دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں"۔

حضرت شمس الدین کو شہر فیض آباد و اطراف و جوانب کی

(بقیہ ص ۳۷) لطائف اشرفی قلمی محررہ ۱۲۰۵ھ ہجری ۲۲ رمضان روز پنجشنبہ مطابق ۱۱۹۰ فصلی از کتب خانہ خدا بخش خاں مرحوم پٹنہ (لطیفہ پنجاہ و ہفتم بھی ملاحظہ ہو)

ولایت اپنے پیر حضرت سیدنا اشرف جہانگیری سے ملی اور آپ نے وہیں قیام فرمایا۔

"جب[1] حضرت نے سفر کعبہ کا عزم کیا اور اودھ پہونچے شیخ شمس الدین کی خانقاہ میں قیام کیا۔ حضرت مخدوم کو شوربا بہت پسند تھا۔ عقیدت شعار خلیفہ نے مہمانداری کا سامان کیا خود اپنے ہاتھ سے کھانا پکایا اتفاقاً ہاتھ جل گیا اس پر پٹی باندھے ہوئے حضرت کے سامنے آئے ارشاد ہوا تمہارے ہاتھ پر ولایت کا داغ لگایا گیا ہے کچھ غم نہ کرو اور کچھ پڑھ کر دم کیا جس سے سوزش جاتی رہی اور زخم مندمل ہوگیا، انہوں نے عرض کی کہ حضور کی عنایت میرے حال پر بہت ہیں لیکن آپ کے قدم مبارک سے جدائی برداشت نہیں کرسکتا ہوں مجھکو سفر میں اپنی ہمراہی کا شرف عطا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا میں تمہاری آرزو پوری کرتا لیکن یہ ولایت میرے مریدوں اور طالبوں سے بھری پڑی ہے اگر تم کو ساتھ لے جاؤں تو ان سب کی خبر گیری اور دل دہی کون کرے گا۔ جب قدم برادرم شمس الدین کا اس جگہ رہیگا تو یہ لوگ ان کی نورانی صورت کی زیارت سے مشرف ہوں گے۔ اسی گفتگو میں منزلیں اودھ کی طے ہوئیں اور قصبہ منگلسی تک شمس الدین ساتھ گئے، وہاں سے مناسب نصیحتیں کرکے اُن کو واپس کیا اور وعدہ فرمایا کہ اس سفر میں مجھ کو جو نعمت نصیب ہوگی اس میں سے تم کو بھی حصہ دوں گا۔ مجبوراً روتے دھوتے رخصت ہوئے لیکن ادب کا یہ حال تھا کہ منگلسی سے

---

[1] ماخوذ از سیرۃ الاشرف از الحاج منشی امیر احمد علوی صاحب صـ۳۸

اجودھیا تک حضرت کی طرف پیٹھ نہیں کی، اُلٹے پاؤں واپس ہوئے، حضرت کی شفقت کا بھی یہ عالم تھا کہ جب سفر سے واپس تشریف لائے تو جو کچھ تبرکات مختلف مشائخ سے پائے تھے وہ سب شیخ شمس الدین کے سپرد کئے، یہاں تک کہ ایک غارنشین درویش نے ایک فلوس (پیسہ) حضرت کو دیا تھا وہ شمس الدین کے حوالہ کیا۔ ؎

وعدۂ اہل کرم گنج رواں ⁂ وعدۂ نا اہل شد رنج رواں

سید اشرف[لہ] رحمۃ اللہ علیہ جب مکہ معظمہ کے سفر سے واپس آئے اور موضع چشت میں وارد ہوئے تو وہاں کے صاحبِ سجادہ خواجہ قطب الدین چشتیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے حضرت جہانگیر کے حال پر بہت مہربانی کی چالیس دن تک مہمان رکھا اور رخصت کے وقت "زنبیل" کو گردش دیتے، قندیل روشن کرتے خانقاہ بنانے اور ذکر جہر کی اجازت دی اور سید اشرف رحمۃ اللہ علیہ کو مجاز کیا کہ جس شخص کو چاہیں یہ نعمتیں عطا کریں، چنانچہ حضرت جہانگیر نے اپنے بعض خلفاء کو مثلاً حضرت دُرِّ یتیم، شیخ شمس الدین اودھی اور شیخ الاسلام وغیرہ کو اجازت عطا فرمائی۔ حضرت درِ یتیم نے دریافت کیا کہ "زنبیل" کو گردش دینے کی کیا سند ہے، آپ نے فرمایا کہ ایک دن حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؓ مدینہ کے

لہ ماخوذ از سیرۃ الاشرف مولفہ الحاج امیر احمد صاحب علوی ص ۱۹۱

نخلستان میں تشریف لے گئے۔ خرمے وہاں بہت کثرت سے تھے، آپ
اُن کو چُن کر ایک زنبیل میں بھر کر حضرت رسول علیہ السلام کی خدمت
میں لائے، اتفاقاً اسی وقت ایک فقیر نے اپنی عاجزی و محتاجی ظاہر
کی رسول علیہ السلام نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ وہ خرمے تمام
حاضرین مجلس کو تقسیم کر دو اور سب کو ہدایت کی کہ خرمے کھا کر ان
کی گٹھلیاں ایک جگہ جمع کرو۔ حکم کی تعمیل ہوئی اور حضور نے سب
گٹھلیاں اس سائل کو دیدیں اور اُن گٹھلیوں کی برکت سے اُس فقیر
کو بہت نعمت اور برکت حاصل ہوئی، مختصر یہ کہ زنبیل حضرت علیؑ
کی طرف منسوب ہے اور بہت سے مشائخ نے اس پر عمل کیا ہے۔ سید اشرفؒ
کے پیر مرشد حضرت علاء الدین گنج نبات میزان کے مخدوم زادے کا
اس طریق پر عمل رہا ہے۔

بحرِ ذخار میں لکھا ہے کہ "حضرت شمس الدین" فریادرس" کے
لقب سے مشہور ہوئے اور ان کا مزار اودھ میں حاجت روائے
خلق ہے جس شخص کو کوئی مہم پیش آئے وہ شیخ فریادرس کے مزار کی
طرف رُخ کر کے روزانہ فاتحہ پڑھے تو اس کی حاجت پوری ہوتی ہے،
ترکیب فاتحہ کی یہ ہے ۔ ایک بار سورہ فاتحہ۔ تین بار سورۂ اخلاص
ایک بار آیۃ الکرسی۔ ایک بار درود ۔"

لہ ماخوذ از سیرۃ الاشرف مولفہ امیر احمد صاحب علوی صہ ۳۰

کہتے ہیں کہ کسی زمانہ میں اس شہر (اجودھیا) کے ایک ظالم حاکم نے بہت اونچا برج بنوایا اور اس پر بیٹھ کر شرفا کے گھرانوں پر نظر ڈالتا تھا، اُس حاکم کے ظلم سے عاجز آکر ایک عقیدت مند چلہ کش ہوکر آپ کی طرف متوجہ ہوا، چالیسویں دن زلزلہ آیا اور ظالم حاکم مع برج کے گرکر مرگیا۔

حضرت شمس الدین فریادرس نے شہر اجودھیا میں مسجد اور خانقاہ بنوائی اور تمام عمر اُسی شہر میں بسر کردی، آپ نے ایک سو بیس ۱۲۰ برس کی عمر پائی اور یہ زمانہ تغلق شاہ ثانی (۷۹۰ھ ۱۳۸۸ء تا ۷۹۱ھ ۱۳۸۹ء خاندان تغلق) بروز جمعہ ۷ محرم الحرام ۷۹۰ھ مطابق ۱۳۸۸ء انتقال فرمایا اور محلہ گاڑی بان میں قریب باغ میر علی اکبر مرحوم اجودھیا کے مشہور تالاب اٹھوا کے اتر اور پچھم گوشہ میں ایک بلند ٹیلے پر دفن ہوئے۔ آپ کا مقبرہ ابتک وہاں زیارت گاہ عوام ہے۔ حضرت شاہ شمس الدین کی اولاد موضع کولا عرف کولاب کے علاوہ علاءالدین پور پرگنہ منگلسی ضلع فیض آباد میں ابتک موجود ہے۔

جب شیخ شمس الدین قصبہ منگلسی سے رخصت ہوئے، تو اس بیت کو پڑھتے اور روتے تھے۔

ابیات

فراق روئے مبارک مراچناں باشد   کہ بہر آدم از روضۂ جناں باشد[۱]

---

[۱] ماخوذ از لطائف اشرفی حصہ دوم از سید عبدالحی اشرف جوش سجادہ نشین درگاہ کچھوچھہ شریف ص ۱۰۱

بل آنچنانست فراق جمال میمونت | کہ وقت مرگ رواں زبدن رواں باشد
زچشم مردم چہ نور می شود بیروں | چگونہ روشنئ چشم مرد ماں باشد
زچشم و جمال تو فرق دانی چیست | ہماں قدر فرقی کاں بفرقداں باشد
ہماں نصیب بود بہر بانہ خسارت | کہ برگ گل چمن از ماہ آسماں باشد

مراکہ ذرۂ نور شمس کرد جدا
چگونہ ذرۂ خورشید درجہاں باشد

حضرت شیخ منجھن شہید رح

آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے شیخ منجھن بن شاہ بڈھے بن شاہ بودھن شہید بن شاہ اللہ داد بن شاہ بدیع الدین عرف ثمن الدین بن مخدوم شاہ شمس الدین فریادرس رح شیخ منجھن کی شادی سید شمس الدین مینا پوری ضلع فیض آباد کی نواسی بی بی بتول عرف بی بی پھول سے ہوئی تھی، سید شمس الدین مینا پوری شیخ منجھن کے رشتہ داروں میں تھے شمس الدین مینا پوری کے ایک بھائی سید نظام الدین بھی تھے۔ شیخ منجھن حکومت وقت کے عہدۂ جلیلہ پر فایز تھے لیکن کسی وجہکر ملازمت سے دستبردار ہوکر اپنے وطن میں آکر رہنے لگے لیکن جہال وطن کے حسد و نفاق سے عاجز تھے، اتفاقاً اسی زمانہ میں آپ کے وطن کا حاکم صوبۂ بہار تبدیل ہوکر جانے لگا اور اس کی استدعا پر شیخ موصوف ترک وطن کر کے اہل وعیال کے ہمراہ ادھر سے روانہ ہوئے

راہ میں لٹیروں سے جنگ میں آپ شہید ہوئے، اسی وجہکر آپ کے نام کے ساتھ لفظ شہید بھی شامل ہے، اس سانحہ کے بعد آپ کی زوجہ اپنے دونوں کم سن بچے شیخ مصطفےٰ اور شیخ جنید کو لے کر شیخپورہ ضلع مونگیر آئیں۔ اسی زمانہ سے اُن کی اولاد کی سکونت شیخپورہ ضلع مونگیر میں ہے۔

شیخ جنید کی شادی بی بی رکن بنت شاہ بہاؔ الدین ابن مخدوم شاہ شعیبؒ سے ہوئی تھی۔ مخدوم شاہ شعیبؒ حضرت مخدوم شاہ شرف الدینؒ بہاری کے بھائی ہیں۔ آپ کوہِ سومبر کے دامن میں قصبہ شیخپورہ پرگنہ مالدہ ضلع مونگیر صوبۂ بہار میں دفن ہیں۔ آپ کا مزار ہنوز زیارت گاہ عوام ہے آپ نے سنہ ۷۹۰ھ میں انتقال فرمایا۔ مخدوم شاہ شعیبؒ کے چار صاحبزادے مخدوم شاہ بہاؔ الدین، مخدوم شاہ منصور مخدوم شاہ مظفر، مخدوم شاہ شمس الدین یمن، مخدوم مذکور قرلیشی الہاشمی ہیں۔ لیکن بعض لوگوں نے آپ کے مورث اعلیٰ محمد تاج فقیہؒ کو امام ابو الدار یا ابوصعب (عم رسول خداؐ) انصار کی نسل سے قرار دیا ہے۔

شیخ منجھن شہید کے متعلق قطعی طور سے نہیں کہا جا سکتا ہے کہ وہ صوبۂ بہار میں کب تشریف لائے۔ ایک مضمون معاصر پٹنہ جلد ۱ میں ص۲۳ میں لکھا ہے کہ منجھنؒ غالباً شہنشاہ ہمایوں یا شیر شاہ سوری کے زمانہ میں بہار آئے۔ اِس حساب سے صوبہ بہار میں اُن کے آنے کا سن ۹۳۷ھ / ۱۵۳۰ء سے لیکر ۹۴۶ھ / ۱۵۳۹ء تک تعین کیا جا سکتا ہے۔

شیخ منجھن جامع علوم ظاہر و باطن میں یکتائے روزگار تھے۔

معرفت و حقیقت کے رمز سے واقف اور شریعت و طریقت میں درجۂ کمال رکھتے تھے۔ آپ کے دو صاحبزادے تھے۔ شاہ مصطفےٰ، شاہ جنید۔

دیباچہ

خانوادہ دولی گھاٹ (سابق دیوان محلہ) پٹنہ

خانوادۂ دولی گھاٹ درحقیقت خاندان شیخپورہ ضلع مونگیر کی ایک شاخ ہے۔ امیرالامراء نواب شائستہ خاں صوبہ دار بنگال (سنہ ۱۶۳۹-۴۹ء) کے زمانہ میں اخوند ملا شاہ محمد شیرازی بنگال ہوتے ہوئے بذریعہ کشتی عظیم آباد تشریف لائے تو ملا محمد نصیر ابن شیخ زین الدین محمد ساکن قصبۂ شیخپورہ ضلع مونگیر تحصیل علم کے شوق میں شیخپورہ سے پٹنہ اخوند کے پاس پہنچے اور اُن کے تبحر علمی سے متاثر ہوکر اُن کے ہمراہ علم حاصل کرنے کے لئے ایران چلے گئے۔ اور تحصیل علم سے فارغ ہوکر عظیم آباد واپس آئے اور دیوان محلہ (موجودہ دولی گھاٹ) پٹنہ سیٹی میں سکونت اختیار کی۔ چنانچہ ملا محمد نصیر اور ان کے بھائی شاہ احمد اللہ کی اولاد اِس محلہ میں زمین خرید کر قیام پذیر ہوتی گئی۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد سنہ ۱۲۳۰ھ / ۱۸۱۴ء میں نواب محمد علی خاں جیرلی ابن خادم حسین خاں خادم کے انتقال کے بعد اُن کی اہلیہ بچی بیگم اپنے والد نواب علی عظیم خاں کے ساتھ رہنے کو گلزار باغ پٹنہ چلی گئیں۔ لیکن خادم حسین خاں

خادم کے دوسرے صاحبزادہ محمد حسن خاں رشکیؔ مع اہل وعیال دولی گھاٹ ہی میں قیام پذیر رہے۔ اس کے ایک عرصہ بعد خادم حسین خاں خادمؔ کے داماد محمد یحییٰ خاں ابن علی قاسم خاں نے ۱۲۵۵ھ ۱۸۳۶ء میں جبکہ پٹنہ میں عارضۂ فصلی کی وجہکر آپ کے دو دو نوجوان نواسے ۱۷ اور ۲۰ سال کی عمر میں یکے بعد دیگرے لقمۂ موت بن گئے تو آپ مع اہل وعیال پٹنہ سے ہجرت کرکے پہلے اپنی زمینداری موضع کرن پورہ حاجی پور ضلع مظفرپور میں آباد ہونے کے خیال سے چلے گئے۔ اور وہاں چھ مہینے تک رہنے کے بعد آپ حسین آباد ضلع مونگیر میں آکر مستقل آباد ہو گئے۔

اس طرح اس خاندان کے افراد مختلف زمانہ میں مختلف جگہ جا جاکر قیام کرتے گئے۔ کچھ افراد اس خاندان کے ازدواجی تعلقات کی وجہکر بھیر سشیخپورہ ضلع مونگیر میں جاکر بس گئے۔ دولی گھاٹ کے خاندان میں مورث اعلیٰ بزرگوں کے علاوہ محمد حسن خاں رشکیؔ۔ نجات حسین خاں آتشیؔ اور تقی حسن خاں دقاؔ قابل ذکر لوگ گذرے ہیں۔ اس خانوادہ کے آخری بزرگ محمد اکبر خاں عرف ننھو میاں ابن امیر حسن خاں عرف منا میاں مرحوم تھے۔ تقسیم ہند کے بعد اِس خانوادہ کے کچھ لوگ ہجرت کرکے پاکستان بھی چلے گئے۔ اب بھی کچھ لوگ اس خاندان کے اس محلہ میں آباد ہیں۔

مُلا محمد نصیر مرحوم

مُلا محمد نصیر بن شاہ زین الدین بن مُلا احمد بن شیخ مصطفےٰ بن حضرت مجھن شہیدؒ آپ کی والدہ کا نام بی بی رحیو تھا جو شیخ عبدالقادر ساکن سنیر ضلع پٹنہ کی صاحبزادی تھیں۔

اگرچہ اس خاندان میں علم و فضل کا چرچہ برابر رہا مگر اس بارے میں مُلا محمد نصیر مرحوم کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ ان کے حالات صاحب سیر المتاخرین نے جو لکھے ہیں اُن کو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

"مُلا محمد[1] نصیر مرحوم شروع جوانی میں ہنگام انتظامت امیر الامرا شائستہ خاں مرحوم جب اخوند ملا شاہ محمد شیرازی بنگالہ میں آئے تو اُن کے ہمراہ بغرض تحصیل علم عازم ایران ہوئے اثنائے سفر میں سواری کے بیکار ہو جانے سے پاپیادہ چلنے کی صعوبت اٹھانی پڑی لیکن با ایں ہمہ درس ناغہ نہ ہونے دیا۔ ایران پہونچکر متداولہ علوم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد فقہ، حدیث، ہیئت اور فنون ریاضی میں دستگاہ کامل پیدا کی اور اپنے

---

[1] مراۃ السلاطین ترجمہ سیر المتاخرین حصہ دوم ص ۲۵۸ از منشی گوکل پرشاد مطبوعہ مطبع منشی نولکشور صاحب ۱۸۷۱ء۔

اقران و امثال سے گوئے سبقت لے گئے اور ایران میں بڑی عزت و احترام سے رہے۔ میر غلام محمد بہاری ضلع پٹنہ نے جو کہ عجوبۂ روزگار اور نادرِ زمانہ تھے اور سوال و جواب عمدۃ الملک امیر خاں ناظم صوبہ کابل و نواب وحید و دیگر امرائے ایران میں متوسط ہوا کرتے تھے، امرا کے یہاں آنا جانا ترک کر دیا تھا اور اپنی جگہ پر ملا محمد نصیر مرحوم کو بھیجا کرتے تھے، ملا محمد نصیر بعد ایک مدت کے ہندوستان آئے اور تھوڑی سی جاگیر صوبۂ بہار میں جو اُن کا اصلی وطن تھا بادشاہ وقت سے حاصل کر کے محلہ دیوان شہر عظیم آباد میں اقامت گزیں ہوئے۔

جناب سید الشعراء خاں بہادر میر علی محمد شاد اپنی مشہور کتاب نقشِ پائدار (مطبوعہ سنی پریس پٹنہ سیٹی سنہ ۱۹۲۴ء) میں ملا محمد نصیر صاحب کے متعلق صہ ۲۲۴ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت ملا نصیر مرحوم حضرت شاہ شعیب رحمۃ اللہ (مزار شیخ پورہ) یعنی حضرت شمس الدین فریاد رس قدس سرہ کے نواسے کے نواسے تھے، تمام درسیات کو ختم کر کے محقق و علامۂ وقت ہوئے مدرسہ سیف خاں مرحوم میں آپ تمام فضلائے مدرسین کے سرتاج تھے جب ملا آقا محمد مجتہد شیرازی بہ عزم وطن مرشد آباد سے عظیم آباد میں آئے اور حضرت ملا نصیر سے ملاقات ہوئی، اُن کے تبحرِ علمی کو دیکھ کر بے اختیار ہوئے اور سبق رجوع کیا وہ بر سرِ راہ تھے آپ نے افغانستان کی راہ سے سفر اختیار کیا گھوڑا خرید لیا اور

مجتہد صاحب سے رستہ میں سبق پڑھتے چلے قندھار کے قریب گھوڑا مر گیا پیادہ پا قطع مراحل کرتے ہوئے شیراز پہونچے ایک دن بھی سبق ناغہ نہ ہوا۔ وہاں تین برس رہ کر مجتہد جامع الشرائط تسلیم کیے گئے۔ سلطنت ہند کی طرف سے دربار ایران میں پانچ برس سفارت کی، لوٹ کر دہلی آئے منصب و جاگیر پائی*۔

ملا محمد نصیر کو تصنیف و تالیف کا بے حد شوق تھا۔ آپ نے متعدد کتابیں تصنیف کیں جس کا زیادہ حصہ غیر مطبوعہ ہے۔ آپ نے بحکم شاہزادہ عظیم الشان ناظم عظیم آباد ایک کتاب "علم التحقیقات" لکھی۔ اس کتاب میں صوبہ بہار کے صوفیان عظام اور صاحبان کشف و کرامات کے حالات قلمبند کیے ہیں۔ اس کے علاوہ تہذیب و اخلاق پر ایک کتاب "ارشاد الائمہ" بھی تحریر فرمائی۔ آپ کی کچھ تصنیفیں علم اصول و فقہ وغیرہ میں بھی ہیں۔ یہ کل تصنیفات نواب زادہ دلدار علی خاں حسین آباد ضلع مونگیر کے کتبخانہ میں ہنوز محفوظ ہیں۔ اس کے علاوہ چند کتابیں اصول و فقہ، احادیث و فلسفہ کی مولوی علی قاسم صاحب شیخپورہ ضلع مونگیر کے پاس بھی ہیں۔

آپ نے ۱۹ رجب المرجب ۱۱۳۸ھ / ۱۷۲۶ء میں بعارضہ فالج انتقال کیا اور محلہ باغ یاقوت شہر عظیم میں دفن ہوئے۔ ملا نصیر نے چار شادیاں

---

* نوٹ:- مولانا حکیم سید محمد شعیب مرحوم پھلواری نے پروفیسر شاہ مقبول احمد کو جو خطوط لکھے وہ "صنم" پٹنہ میں شائع ہوئے ہیں۔ حکیم صاحب نے ایک خط مورخہ ۵ جمادی الآخر ۱۳۷۲ھ روز جمعہ میں مقبول صاحب کو لکھا ہے کہ ملا محمد نصیر شیخپورہ کا انتقال ۱۱۴۸ھ میں ہوا۔

گئیں تھیں۔ پہلی دو بیبیوں سے اولاد نہیں ہوئی۔ تیسری اور چوتھی سے اولادیں ہوئیں۔

قطعۂ تاریخ

دنیا بھی کیا مقام ہے عبرت کا دوستو
جو آئے اس جہاں میں آخر وہ مر گئے

بس نامور بہ زیرِ زمیں دفن کردہ اند
طوسی و مجلسی بھی جہاں سے گذر گئے

ہاتف یہ کہہ رہا ہے جھکا کر سر ادب
ملا نصیر طاب ثراہ، کہہ مصرعے گئے

نواب شعیب خاں

شاہ زین الدین احمد کے پانچ لڑکے تھے شاہ محمد زاہد، ملا محمد نصیر، محمد رفیع عرف شعیب خاں۔ شاہ اسد اللہ و محمد عاقل از محل دوم۔

محمد رفیع کی شادی بشیخ میر عرف نواب فدائی خاں ابن خواجہ میر

نوٹ :۔ آقا احمد بہبانی سنہ ۱۲۲۰ ہجری میں (عراق سے ہند تشریف لائے) آپ آقا باقر بہبانی کے نواسے تھے اور آقا باقر مشہور مجتہد غفراں مآب مولانا سید دلدار علی صاحب لکھنوی کے استاد تھے۔ آقا احمد بہبانی نے ایک ضخیم سفرنامہ مرآۃ الاحوال لکھا ہے۔ عظیم آباد کے امراء و فضلاء آقا احمد صاحب کی بڑی خاطر و مدارت کرتے تھے، مدرسہ سیف خاں کی مسجد میں روزانہ نماز جماعت پڑھاتے تھے۔ سیکڑوں اشخاص شریک نماز ہوتے تھے ماخوذ از نقش پائدار از سید علی محمد شاد صفحہ ۲ و نقش پائدار حصہ دوم صفحہ ۸۵۔

عرف صلابت جنگ ابن حاجی سید نظام الدین کی لڑکی سے ہوئی تھی۔

نواب فدائی خاں عالمگیر بادشاہ دہلی (محی الدین اورنگ زیب عالمگیر ۱۰۶۹ھ/۱۶۵۹ء لغایت ۱۱۱۸ھ/۱۷۰۷ء) کے سپہ سالار تھے شاہانہ مغلیہ کا دستور تھا کے امراء اور رؤساء، حکام اعلیٰ کے لڑکوں کو بھی خطاب شاہی سے سرفراز کیا کرتے تھے چنانچہ جب محمد رفیع کی شادی نواب فدائی خاں سپہ سالار فوج شاہی کی لڑکی سے انجام پائی تو بادشاہ نے محمد رفیع کو شعیب خاں کے خطاب سے سرفراز فرمایا اور آپ اسی نام سے مشہور و معروف ہوئے۔

شعیب خاں نے بھی اپنے خسر نواب فدائی خاں کی طرح حکومت میں کافی رسوخ حاصل کر لیا اور بہت جلد سپہ سالاری کے عہدہ پر فائز ہو گئے غرض بہ یک وقت دونوں خسر و داماد امور ملکی و مالی میں صاحب رائے سمجھے جاتے تھے۔ شہنشاہ دہلی اور مرشد آباد کے صوبہ دار کے دربار

نوٹ:- نواب فدائی خاں کے دادا حاجی سید نظام الدین اپنے والد کے ہمراہ شاہ جہاں کے زمانہ میں ہندوستان آئے۔ آپ مشاہیر سادات خاف (شہر خراسان کا قریہ) سے تھے۔

از ماثر الامراء مولفہ عبدالحی کلکتہ جلد اول صفحہ ۶۲۷ ۔

(۱) نواب فدائی خاں نے ۱۴ر شعبان ۱۱۲۹ھ/۱۷۱۷ء مطابق ۲۵ر مئی ۱۷۱۷ء میں انتقال کیا اور اپنے مقبرہ میں دفن ہوئے۔ اور آپ کی اہلیہ نے ۱۵ر جمادی الاول ۱۱۴۸ھ/۱۷۳۵ء میں مرشد آباد میں انتقال کیا اور قلی خاں کے مقبرہ بیگم گنج مرشد آباد میں دفن ہوئیں۔

میں نواب شعیبؔ خاں کا بڑا رسوخ تھا۔ چنانچہ بادشاہ کی طرف سے جاگیر اور تمغہ عنایت ہوا۔ نواب شعیبؔ خاں نے دہلی ہی میں بود و باش اختیار کر لی اور ۱۲ جمادی الثانی ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء میں دہلی میں انتقال کیا اور نواب فدائی خاں کے مقبرہ میں جو حضرت محبوب سبحانی سیدنا نظام الدین اولیاء کے مزار کے پاس ہے دفن ہوئے۔ آپ نے دو صاحبزادیاں اپنی یادگار چھوڑیں ایک بی بی عرش النساء زوجہ اولی نواب داؤد علی خاں عرف زائرحسین خاں ابن ملا محمد نصیر اور دوسری بی بی بدل نے کم سنی میں انتقال کیا۔

زائرحسین خاں

محمد داؤد علی خاں عرف زائرحسین خاں ابن ملا محمد نصیر مرحوم آپ اپنے روزنامچہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ "میں ۴ محرم شب جمعہ ۱۱۲۷ھ میں پیدا ہوا، بزرگوں میں کسی نے تاریخ کہی

گلِ تازہ از بوستان حسینؑ

۱۱۲۷ھ

آپ کی کنیت ابوتراب، لقب عبد اللہ و خطاب شاہی داؤد علی خاں تھا۔ آپ کی شادی بی بی عرش النساء بنت نواب شعیبؔ خاں داماد نواب فدائی خاں سپہ سالار فوج شاہی کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ شہنشاہ نے حسب دستور شاہان مغلیہ آپ کو نواب داؤد علی خاں کا

خطاب عطا کیا اور اسی زمانہ سے اس خاندان کے افراد کے نام کے ساتھ "خاں" لکھے جانے کا رواج ہوا۔ آپ کے خطاب پانے اور دیگر شاہی اعزاز کا مفصل حال سیر المتاخرین جلد دوم صہ ۵۷۲، صہ ۵۷۳ و صہ ۶۱۱ میں درج ہے۔

صاحب سیر المتاخرین[1] لکھتے ہیں کہ "داؤد علی خاں معروف زائر حسین خاں خلف ارشد مولوی نصیر مرحوم نے اکثر فضائل نفسانی اور تمام علوم متداولہ کو اپنے والد سے حاصل کیا تھا، باوجودیکہ والد نے کل میراث اُن کے نام لکھ دی تھی مگر والد کی رحلت کے بعد منصف مزاج بیٹے نے اپنے سب بھائی بہنوں کو ان کا حصہ رسدی دیدیا اور پھر اپنے حصہ سے اپنے والد کا کل قرض ادا کیا" آپ نہایت عابد و زاہد و خدا ترس تھے اپنی جائداد و معیشت کا انتظام کر کے عتبات عالیات کو روانہ ہو گئے۔ عرصہ تک ممالک عرب میں قیام فرما کر علم فقہ و حدیث میں اتنا کمال حاصل کیا کہ آپ کو وہاں کے متعدد علما نے "سند حدیث" عطا کی۔ آپ عربی علم و ادب کے ماہر تھے۔ جب زیارت سے مکان واپس آئے کسب سعادت میں مصروف ہوئے۔ آپ بہت رحم دل اور صاحب خیر تھے اور اس قدر مرجع عوام و خواص تھے کہ تمام لوگ ہمیشہ نزاعِ باہمی میں

---

[1] مراۃ السلاطین ترجمہ سیر المتاخرین حصہ دوم صہ ۲۵۹ از منشی گوکل پرشاد مطبوعہ ۱۸۷۱ء نولکشور پریس لکھنؤ۔

آپ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے اور آپ کے فیصلوں کو بڑی خوشی سے قبول کرتے تھے۔ آپ تھوڑی آمدنی میں اپنے غریب و ناچار اہل خاندان کی پرورش ملحوظ رکھتے تھے بلکہ اغیار کی پرورش مثل عزیزوں کے کرتے تھے۔

آپ ۱۰ ذالحجہ روز شنبہ ۱۱۶۲ھ میں حج اور زیارت عتبات عالیہ کے لئے پہلی بار مرشد آباد سے بذریعہ آب روز روانہ ہوئے اور ۹ ربیع الثانی روز سہ شنبہ ۱۱۶۶ھ میں ہندوستان واپس آئے۔ جب آپ کے مراجعت کی خبر بادشاہ محمد شاہ (محمد اکبر شاہ ثانی ۱۲۲۱ھ ۱۸۰۶ء لغایت ۱۲۵۳ھ ۱۸۳۷ء کو ملی تو بادشاہ نے طلب فرمایا۔ دربار میں حاضری ہوئی اور "زائر" کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ اور یہی وجہ ہے کہ آپ کا عرف نام زائر حسین ہو گیا۔ اور اسی نام سے مشہور ہوئے۔ ۱۱۷۰ھ میں آپ دوسری مرتبہ زیارت حضرت امام رضا علیہ السلام کے لئے تیار ہو چکے تھے کہ پہلی ربیع الاول ۱۱۷۰ھ میں ۵۵ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ اور اپنے آباد کئے ہوئے محلہ داؤد علی گنج میں دفن ہوئے۔ آپ کے دست خاص کی لکھی ہوئی بیاض کتب خانہ علوی حسین آباد ضلع مونگیر مملوکہ سید محمد علی خاں ابن جابر علی مرحوم میں موجود ہے۔ اس بیاض میں دو وصیت ناموں کے علاوہ آپ کی مفصل سوانح عمری مع سفرنامہ درج ہے اور نواب علی وردی خاں اور ان کے بھتیجے نواب ہیبت جنگ کے دور کے اہم واقعات درج ہیں جو بہار کی تاریخ کے لئے

ایک خاص چیز ہے۔ آپ نے ۱۱۴۸ھ میں ایک خانہ باغ اپنے سکونتی مکان میں بنایا تھا اور اس کا نام اپنے بڑے صاحبزادے محمد حسن خاں کے نام پر "حسن باغ" رکھا تھا اس کی تاریخ یہ ہے "حسن باغ نو"۔

آپ اپنے چچا شاہ اسداللہ کے ہمراہ خواجہ مقیم و خواجہ سلطان کے قافلے والوں کے ساتھ شاہجہاں آباد (دہلی) کے لئے ۴ر جمادی الاول ۱۱۴۱ھ روز پنجشنبہ کو روانہ ہوئے۔ یہ قافلہ ۲۵ر شعبان مطابق ۲۱ر مارچ ۱۷۲۹ء کو دہلی پہنچا۔ شاہ اسداللہ نے نواب فدائی خاں (سپہ سالار فوج عالمگیر) کے یہاں قیام کیا اور وہیں آپ کی پہلی شادی بی بی عرش النساء عرف بی بی عوشا بنت محمد رفیع اللہ عرف شعیب خاں سے ۳ر رمضان ۱۱۴۱ھ مطابق ۲۹ر مارچ ۱۷۳۱ء کو انجام پائی۔ بی بی عرش النساء نے ۸ر رمضان ۱۱۵۲ھ میں بمقام شیخپورہ انتقال کیا۔ اس کے بعد آپ نے دوسری شادی ۹ ربیع الاول ۱۱۵۵ھ میں بی بی اصلو خواہر میاں علی اصغر و علی صفدر ساکن محلہ بگیمہ قصبہ شیخپورہ ضلع مونگیر سے کی۔ ان کا مہر مہر فاطمی (پانچ سو درہم) قرار پایا۔ اس کے علاوہ دو ممتوعہ بھی تھیں جن سے اولادیں بھی ہوئیں لیکن آپ نے اپنی سوانح میں ان کا نام درج نہیں کیا ہے۔ بی بی اصلو نے ۱ر جمادی الاول ۱۱۹۳ھ کو انتقال کیا۔

---

(۱) بی بی عرش النساء۔ ولادت ۹ر رمضان ۱۱۲۹ھ روز پنجشنبہ بمقام دہلی۔
وفات ۸ر رمضان ۱۱۵۲ھ بمقام شیخپورہ۔ ضلع مونگیر۔

حاجی احمد علی قیامت

حاجی احمد علی ابن شاہ اسد اللہ ابن شاہ زین الدین ابن ملا احمد۔
آپ کی شادی اپنے حقیقی چچا مُلا محمد نصیر کی صاحبزادی بی بی سکینہ سے ہوئی تھی، جو ان کی چوتھی بی بی رضیہ کے بطن سے تھیں۔ عنفوان شباب ہی سے آپ کی طبیعت کا میلان مذہب کی طرف تھا اور علوم دینیہ حاصل کرنے کا بے حد شوق تھا۔ چنانچہ شادی کے بعد آپ سب سے پہلے حج بیت اللہ کو گئے اور مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ روضہ ہائے آئمہ ہدا کی زیارت کی اور کربلائے معلےٰ اور نجف اشرف میں تقریباً سات سال قیام کر کے علوم دین حاصل کیا اس زمانۂ قیام میں آپ سات بار حج سے بھی مشرف ہوئے۔ آپ کو کربلائے معلےٰ میں مقیم ہوئے سات برس ہو گئے تھے، اس لئے آپ کی ضعیف ماں، جو بڑی عابدہ و زاہدہ تھیں، آپ کے ہجر میں بہت بیقرار رہتی تھیں، چنانچہ حاجی احمد علی صاحب نے ایک روز خواب میں سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام کو دیکھا کہ فرما رہے ہیں "احمد علی گھر جاؤ، تمہاری ماں تمہاری جدائی کے سبب بے حد بے چین ہیں جو یہاں رہنے کا ثواب تم کو حاصل ہوگا وہی ثواب تم کو ان کی خدمت کرنے کا وہاں ملے گا" جب خواب سے بیدار ہوئے تو دل نے یہ کہا کہ یہ خواب غلط نہیں ہو سکتا اس لیے کہ شیطان ائمہ علیہم السلام کی شکل

اختیار نہیں کر سکتا، سوچا کہ ہفتہ عشرہ میں روانہ ہوں گے مگر زادراہ کی دشواریوں کا خیال کر کے بجد متردد تھے کہ پھر امام کو دوسرے روز خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں کہ "احمد علی ہم نے تم کو جانے کا حکم دیا اور تم نے تعمیل نہ کی اور فرمایا خدا پر بھروسہ رکھو اور لوگوں کو نماز و روزہ کی تعلیم دو" چنانچہ جب آپ دوسرے خواب سے بیدار ہوئے تو اپنے رفقا سے خواب کا کل حال بیان کیا اور سفر کی تیاری کا حکم دیا اور دشوار گذار خشکی و بحری منازل جلد از جلد طے کرتے ہوئے عظیم آباد (پٹنہ) تشریف لائے اور ماں کی خدمت اور دین کی اشاعت میں ہمہ تن مشغول ہوئے،

مراۃ السلاطین ترجمہ سیر المتاخرین از منشی گوکل پرشاد (۱۸۷۱ء) صفحہ ۲۶۸ میں لکھا ہے کہ "حاجی احمد داماد مولوی نصیر مرحوم کے حج و زیارت عتبات عالیہ کو گیا وہاں سے بروقت معاودت عتبہ عالیہ رضویہ علی مشرفہا السلام کی زیارت کو بھی گیا۔ فی الحال موضع مصطفیٰ آباد میں جو اوس کی زوجہ کا مملوکہ ہے مع عیال و اطفال کے بسر کرتا رہا۔ علم فقہ اور تفسیر اور حدیث سے نہایت باخبر اور عقلیات سے بھی ناآشنا نہیں۔ افاضل عصر نے اسی درجہ فضیلت پر شمار کیا ہے اور شیخ محمد علی مرحوم نہایت احترام کرتا اور فرماتا تھا کہ تمام عظیم آباد سے۔

آپ اپنے ہمراہ کربلائے معلیٰ سے دو ضریح بھی لیتے آئے تھے،

پہلے دولی گھاٹ پٹنہ میں امام باڑہ بنواکر ایک ضریح وہاں رکھی اور عزاداری قائم کی۔

تاریخ ضریح امام باڑہ دولی گھاٹ[1]

ایں ضریح از کربلا چوں آمدہ منشا نوشت ... سال تاریخش ضریح پاک سبطین نبی[ص] ۱۲۳۱ھ

اس کے بعد محلہ سنگی دالان میں امام باڑہ بنوایا اور دوسری ضریح سنگی دالان کے امام باڑہ میں رکھی۔

تاریخ ضریح امام باڑہ سنگی دالان[2]

ضریح شد آسماں بارگاہ ... مرتب چو شد ہمنہ زیب وزیں
بہ مہرے پے سال پیر خرد ... بگفت ایں ضریح امام حسین[ع]

اس کے علاوہ اپنے ایک رفیق خاص حاجی عبداللطیف علی صاحب کے لئے جو آپ کے ہم سفر رہے تھے ایک امام باڑہ محلہ گوری استھان میں تعمیر کرایا اور اُن کے حوالے کر دیا۔

نواب نجات حسین خاں اُنشکی ابن نواب محمد حسن خاں رشکی

---

[1] اِس ضریح میں ۱۰ محرم ۱۳۵۱ھ میں یکایک آگ لگ گئی اور جل کر خاک ہو گئی اور بعد کو امام باڑہ بھی منہدم ہو گیا۔

[2] یہ امام باڑہ آج کل ایک نابکار کے قبضہ و تصرف میں آگیا ہے جو اس سے ناجائز ذاتی مالی فائدہ اٹھا رہا ہے اور اسلاف و عزیزوں کی قبروں کی بے حرمتی کرا رہا ہے۔

تذکرۃ الاکابر میں تحریر فرماتے ہیں کہ آپ (حاجی احمد علی صاحب) جب واپس ہند تشریف لائے اُس وقت پٹنہ میں عزاداری کا رواج نہ تھا، آپ ہی نے اس کو قائم کیا۔"

ہر ماہ کی ۹ تاریخ کو تکیہ شاہ باقر میں مجلس ہوتی و ہر ماہ کی ۲۰ تاریخ کو سنگی دالان کے امام باڑہ میں مجلس ہوتی، ہر ماہ کی ۲۱ تاریخ کو امام باڑہ حاجی عبداللطیف صاحب میں مجلس ہوتی اور امام باڑہ دیوان محلہ میں عشرۂ محرم میں۔

چونکہ حاجی صاحب مرحوم کے اکثر بزرگ سلاطین مغلیہ کے زمانہ میں عہدہ جلیلہ پر فائز رہ چکے تھے اس لیئے جلال الدین شاہ عالم بادشاہ ۱۱۷۳ھ (۱۷۵۹ء) لغایت ۱۲۲۱ھ (۱۸۰۶ء) کو جب آپ کے ہند واپس آنے کی خبر معلوم ہوئی تو آپ کو دہلی طلب کیا، حاجی صاحب دہلی تشریف لے گئے بادشاہ کے دربار میں حضوری کا شرف حاصل ہوا، شاہ نے فرمایا کہ چونکہ آپ ایک بہت بڑے بزرگ حضرت مخدوم شمس الدین فریادرس رح کی اولاد میں ہیں اور آپ کے آبا و اجداد نے برابر میرے بزرگوں کے زمانہ میں عہدۂ جلیلہ پر رہ کر بڑے اہم کام انجام دیئے ہیں اسلئے آپ سے پوچھتا ہوں کہ کون سا عہدہ تفویض کیا جائے، حاجی صاحب غفران مآب نے فرمایا کہ چونکہ فدوی ترک دنیا کرچکا ہے اس لئے مستدعی ہے کہ ناچیز کو عزلت نشیں ہی رہنے دیا جائے۔

چنانچہ شاہ عالم بادشاہ نے آپ کے بزرگوں کی سابقہ خدمات اور آپ کی

بزرگی کا خیال کرتے ہوئے آپ کو خطاب ہائے لائقہ وخلعتہائے فاخرہ سے سرفراز فرمایا اور سندِ لاخراج سی و ہشت قلم مواضعات علاقہ ضلع ترہت پرگنہ نرسنگھ و پرگنہ حویلی عظیم آباد و حاجی پور و پرگنہ سلیم آباد سے معزز و ممتاز فرمایا اور اس طرح آپ بہ عز و شان اپنے وطن شہر عظیم آباد تشریف لائے۔ ایک مدرسہ دینیہ قائم کیا جہاں خود ہی تعلیم کتب علوم دینیہ تاحیات دیتے رہے اور آپ سے ہزاروں طالبانِ علم و مومنین فیض یاب ہوئے۔

آپ فارسی کے بڑے خوش فکر شاعر تھے، قیامت تخلص فرماتے تھے۔ زیادہ تر نعت اور منقبت میں شعر کہتے تھے۔ خلاف شرع کبھی کوئی مضمون نظم نہیں کرتے تھے۔ تذکرہ شورش[1]، تذکرہ مسرت افزا[2] تذکرہ گلزار ابراہیم[3] و تذکرہ عشقی[4] وغیرہ میں آپ کے حالات اور کلام کا نمونہ درج ہے۔

آپ کے کلام کا مجموعہ قصائد عربیہ و فارسیہ نعت، منقبت، مخمس و ہفت بند در مدح ائمہ اطہار علیہم السلام بلبشمار تھے۔

۱؎ میر غلام حسین شورش عظیم آبادی ۱۱۹۵ھ

۲؎ ابوالحسن ۱۱۹۲ھ مگر اس میں ۱۱۹۵ھ تک کے واقعات درج ہیں۔

۳؎ نواب علی ابراہیم خاں ۱۱۹۶ھ

۴؎ وجیہہ الدین عشقی عظیم آبادی ۱۲۰۵-۱۲۳۰ھ

ابتدا فغتیہ قصیدہ سے ہوتی ہے جس کی بیت اول یہ ہے

خوشا نظارۂ گل طلعتانِ بے پردا　　　خوشا بحال پریشان بلبلِ نیدا

پینتیس ۳۵ پینتیس شعر کے دو قصیدے حضرت علی کی مدح میں ہیں۔

۷۰ مصرعوں کا ایک خمسہ ہے جس کا پہلا مصرع ہے

"اے بفرقتِ تاج اسم رب اعلیٰ یا علی" اور دوسرا ۹۰ اشعار کا ہفت بند (ترکیب بند) ہے جس کے ابتدا کا مصرع ہے

"السلام اے روح احمد خاص رب العالمین" الغرض قصائد وغیرہ کے ابیات کی مجموعی تعداد ۲۲۵ ہے۔

ان چیزوں کے علاوہ فارسی کی غزلوں کا مجموعہ علیحدہ تھا اس میں مکمل و نامکمل غزلیں اور فردیات کے اشعار لکھی ہیں ان سب کی مجموعی تعداد تقریباً ۱۲۹۱ ہے

یہ کل کلام خود آپ کے ہاتھوں کا لکھا ہوا موجود تھا۔ بوقت تقسیم ترکہ یہ کل مجموعۂ کلام نواب نجات حسین خاں اشکی ابن نواب محمد حسن خاں رشکی کے حصہ میں آیا۔ نجات حسین خاں اشکی کے انتقال کے بعد اُن کے بڑے صاحبزادے نواب رستگار حسین خاں کو ملا اور اُن کی غفلت سے یہ نادر مجموعہ تلف ہو گیا۔

حاجی صاحب جنت مکاں کے کچھ اشعار نواب مہدی علی خاں مہدی کے ہاتھوں کے لکھے ہوئے دستیاب ہوئے ہیں جو ہدیۂ ناظرین ہیں۔ پہلی غزل کا پہلا شعر یہ ہے۔

اے نام تو افسر سخنہا — از شکر تو پر شکن دہنہا
چوں تو اند بود با ایں جہل زدیں خرد — گرد خوش بہلول دانا مذہب دیوانہ ہا
دو عالم شد خراب از سیلِ اشکم — مگر او خشک سازد چشم نم را
ز درگاہِ خدا در حشر نظم و نثر مداحاں — لقب کردند حیدر نامہ دیوان قیامت را

ہر چہ از روزگار می آید — ہمہ از چشم یار می آید
رنج و راحت ہمہ پیش بیش است — گر خزاں شد بہار می آید
شاید کہ حلقۂ زلفِ عنبریں وا شد — بوئے مشک تتار می آید

آپ نے ۲۲ ربیع الاول روز جمعہ ۱۱۹۳ھ (۱۷۸۰ء) کو انتقال کیا اور اپنے بنائے ہوئے امام باڑہ (بقول دیگر ۱۱۸۰ھ میں انتقال کیا) اور مقبرہ محلہ سنگی دالان میں دفن ہوئے۔ آپ کا مزار صحن میں ہے جو کافی لانبا اور بلند ہے۔ آپ کی تاریخ وفات جناب زین الدین محمد متخلص بہ عشق نے لکھی۔

مومن پاکیزہ دیں احمد علی — شد ز دنیا چوں بہ ملک جاوداں
ہاتف از روئے دانش زد رقم — حاجی الحرمین قبلہ راستاں

دوسری تاریخ رحلت:-

چہ گویم از کمال حاجی احمد — کہ او در اہل دل بودے سر آمد
بہ علم و فضل در میخانۂ دل — ز صہبائے محبت بود سرمد

دبیر چرخ چوں طفل دبستاں | گرفتی پیش او تعلیم ابجد
دلش چو آئینہ باطینت صاف | صفائے داشتی از نیک تا بد
غمش چوں کرد در دل کار اعشق | تفکر کسب غالب بیش از حد
خرد تاریخ آں ناگاہ از غیب | نوشتہ داد بر لوح زبرجد
مضاعف حب پاک پنجتن داشت | بہ بزم ساقی کوثر درآمد

نوابؔ خادم حسین خاں خادمؔ

آپ حاجی احمد علی قیامتؔ کے بڑے صاحبزادے تھے۔ عربی و فارسی کے ادیب کامل تھے، شعر و شاعری کا بھی ذوق تھا۔ اپنے والد جناب قیامتؔ سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ آپ کا ذکر متعدد تذکروں میں پایا جاتا ہے۔

(۱) نواب علی ابراہیم خاں صاحب گلزار ابراہیم ص۱۲۵ (مطبوعہ انجمن ترقی اردو ۱۹۳۴ء) تحریر فرماتے ہیں۔

خادمؔ عظیم آبادی۔ نامش خادم حسین خاں خلف حاجی احمد علی قیامتؔ تخلص۔ از منصب داران و عم زادگان مؤلف اوراق ست۔ بہ نسبت اجداد پدری از شیوخ بنی ہاشم و بہ نسبت اجداد مادری از سادات حسینی ست۔ آرمیدہ و سنجیدہ اطوار۔ گاہے بہ موزونی طبع ریختہ می گوید۔

(۲) میر غلام حسین شورشؔ عظیم آباد "تذکرہ شورش" ۱۱۹۵ھ

میں یوں رقم طراز ہیں۔

خادم۔ مشفق دوستاں خادم حسین خادم تخلص، فرزند رشید حاجی احمد علی صاحب مد ظلہ العالی ساکن عظیم آباد مرد لبیت اہلِ تمکیں و خوش تقریر و منصدی۔ واقعی ایں است کہ شعر نمی گویند لیکن فکر شعر فارسی گاہے ریختہ می نمایند۔

(۳) وجیہہ الدین عشقی عظیم آبادی اپنے تذکرہ عشقی میں جو شاید ۱۲۰۵ سے لیکر ۱۲۳۰ میں مکمل ہوا لکھتے ہیں۔

خاں مغفرت نشاں، خادم حسین خاں خادم تخلص، خلف بزرگ حاجی احمد علی المتخلص بہ قیامت برادر اددی علی ابراہیم خاں بہادر نصرت جنگ۔ مردے شگفتہ جبیں، ستودہ آئیں، از بزرگ زادگان عالی دودمان بود درشیوۂ خلق و تواضع و حفظ مراتب شناسی و پاسداری دلہا سعی بوفورہ بجائے می آورد۔ گاہ گاہ مطلع و غزلے بہ حسب موزونی طبع و تقاضائے وقت منظوم می فرمود، و در جناب والد مؤلف (شیخ غلام حسین متخلص بہ مجرم) بمشورت این فن پرداخت۔ خدا الیس غریق رحمت سازد۔"

(۴) نجات حسین خاں آشکی عظیم آبادی۔ تذکرۃ الاکابر میں یوں ذکر کرتے ہیں۔

خادم حسین خاں خادم پسر کلاں قیامت۔ صاحب خلق و مروت، عاجز نواز، والا ہمت بودند۔ اوقاتِ گرامی خود را صرف

دلداریِ درماندگان میفرمودند وہموارہ بطاعت وعبادت خالق ورضا جوئی مخلوق بسر میبردند۔

(۵) طبقات شعرائے ہند ۱۲۶۴ھ ۱۸۴۸ء مؤلفہ کریم الدین میں بھی آپ کا ذکر آیا ہے۔

آپ کی شادی اپنے چچا شاہ احمداللہ کی چھوٹی صاحبزادی عالیہ بیگم سے ہوئی تھی۔ دو لڑکے نواب محمد علی خاں حیرتی (داماد خاں بہادر نواب علی عظیم خاں ابن نواب سعداللہ ابن نواب اسداللہ غازیپوری) اور دوسرے محمد حسن خاں رشکی (داماد نواب علی قاسم خاں برادر خورد علی ابراہیم خاں حسین آباد ضلع مونگیر) اور ایک لڑکی امت الزہرہ زوجہ نواب محمد یحییٰ خاں ابن نواب علی قاسم خاں، یادگار چھوڑا۔

علالت کے دوران حکیم سلامت علی خاں نے جلاب دیا لیکن جاں بر نہ ہوسکے اور بماہ ربیع الاول ۱۲۰۱ھ ۱۷۸۷ء میں انتقال کیا۔ قطعۂ انتقال کا آخری مصرع یہ ہے "گزسر جہاں گذشت خادم شاہِ کربلا" اپنے والد حاجی احمد علی قیامت کے دائیں پہلو میں مقبرہ سنگی دالان میں دفن ہوئے۔

چند اشعار جو مختلف تذکروں سے دستیاب ہوئے ہیں ہدیہ ناظرین ہیں۔

رات دن فرقت میں اس کی اس تہ زار تماشا تھا ۔ آسماں نالہ سے اس کے آسیائے باد تھا

پاک کب آلودگی سے ایسی زاہد ہو سکے ؛ مثلِ طفلِ اشک تر دامان مادر زاد تھا
بے پری جب تھی مجھے تب فکرِ آزادی نہ تھی ؛ خوب تھا آرام جب بے رحم وہ صیاد تھا

یار جا پہنچے اپنی منزل کو ؛ ہم رہے باندھتے ہی مل کو
دم کے لینے کی بھی نہ دی فرصت ؛ آفریں ہے ہمارے قاتل کو

چند اشعار فارسی کے بھی ملاحظہ ہوں۔

چوں نہاں قامت در باغ یک شمشاد نیست ؛ سرو ہم او را یصد جاں بندۂ آزاد نیست
سینہ شد از داغ لبریز و دلم در شیون ست ؛ موسمِ گل بلبلِ پُر سوز بے فریاد نیست
در قفس افتادہ ام دور از عزیزانِ چمن ؛ آنکہ می نالم من از بیرحمی صیاد نیست
ہم چوں آں مینا کہ می ریزند درد او بہ جام ؛ خندہ بر لب دارم اما خاطرم شاد نیست
گرچہ اعجاز دارد لیک خادم در سخن ؛ ہر کہ شاگردِ متیں، مانندِ استاد نیست

نواب ہدایت حسین خاں مومن

ہدایت حسین خاں مومن، نواب خادم حسین خاں خادم کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے۔ آپ بھی اپنے بھائی کی طرح صاحب علم و فن تھے۔ آپ کو بھی شوق شاعری کا تھا، مومن تخلص فرماتے تھے۔ فارسی اور اُردو دونوں میں فکر سخن کرتے تھے۔ جناب شاہ کمال علی ساکن

محلہ دھوبپورہ پٹنہ سیٹی جو اپنے وقت کے مشہور صوفی شاعر تھے ان سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ آپ لاولد تھے۔ عالمِ شباب میں سانپ کے کاٹنے سے ۱۴ ذی الحجہ ۱۲۰۷ھ (۱۷۹۳ء) میں انتقال کیا۔ آپ کا مزار امام باڑہ سنگی دالان کے صحن میں ہے۔ قطعہ تاریخ رحلت کی آخری بیت یہ ہے۔

ؔ حوری برہنہ سر شدہ از انتقال او
تاریخ گفت ہائے ہدایت حسین خاں

کلام بہت تھا جو ضائع ہو گیا۔ بڑی تلاش سے فارسی کی ایک غزل ملی ہے۔ جو ہدیہ ناظرین ہے۔

اے بر رخِ زیبایت دل گشتہ تماشائی ۔۔۔ بر طرۂ مشکینت عالم شدہ سودائی
قربان جمال تو صد یوسف کنعانی ۔۔۔ بر لعل شکر خایت شیریں شدہ سودائی
ہر سنگ و درخت طور از عشق تو در وجد است ۔۔۔ ہر ذرہ ازیں وادی گویا شدہ موسائی
عالم ہمہ یک عکس است از جلوۂ زیبایت ۔۔۔ بیمارِ نگاہِ تست با فخرِ مسیحائی
از شعشعۂ جنت آتشکدہ شد عالم ۔۔۔ در کعبہ تو لی مسلم در دیر تو ترسائی
در پردہ کہ می بینم غیر تو نمی یابم ۔۔۔ در کعبہ تو لی مومن در دیر تو ترسائی

نواب محمد علی خاں حیرتی

نواب محمد علی خاں حیرتی ابن نواب خادم حسین خاں خادم۔

آپ کی شادی [illegible]

سعد اللہ خاں ابن نواب عبداللہ ابن شیخ محمد قاسم صدیقی غازیپوری سے ہوئی تھی۔ آپ کو شعر و سخن کا بے حد شوق تھا۔ راجہ پیارے لعل الفتی اور میر وزیر علی عبرتی سے تلمذ کا شرف حاصل تھا۔ مشاعروں میں خود شریک ہو کر اپنی غزل پڑھتے۔ غزل پڑھنے کا انداز بے حد عمدہ تھا۔ کنور سکھراج بہادر متخلص بہ رحمتی خلف الصدق جناب ہیرا لعل صاحب ضمیر و نبیرۂ جناب راجہ پیارے لعل صاحب الفتی دہلوی نے سنہ ۱۸۹۵ء میں چار پانچ بڑے شاندار مشاعرے منعقد کیے تھے۔ ان مشاعروں کا گلدستہ بھی شائع ہوا ہے اُن کی فہرست دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ ان مشاعروں میں کیسے کیسے شعرا شریک ہوئے تھے چند حضرات شعرا کے نام یہ ہیں:۔ مصرع طرح تھی۔ "یارب بُرا ہو اختر بخت سیاہ کا" جناب شاہ محمد آغا صاحب شاغل شاگرد داغ۔ جناب میر علی محمد صاحب شاد عظیم آبادی۔ جناب وحید الدین صاحب وحید الہ آبادی۔ جناب فرزند احمد صاحب صفیر بلگرامی۔ جناب حکیم عبدالحمید صاحب پریشاں عظیم آبادی۔ جناب بشارت حسین صاحب احقر بہاری۔

---

۱ بی بی بیگم نواب علی عظیم خاں کی زوجۂ اولی برکت النساء بیگم کے بطن سے تھیں۔

۲ تاریخ شعرائے صوبہ بہار از عزیز الدین احمد بلخی راز مطبوعہ قومی پریس پٹنہ ص ۱۰۶ سنہ ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱ء

۳ یہ گلدستہ جناب محمد عبدالحق صاحب انجم شاگرد مرزا رجب علی سرور مرحوم ساکن محلہ سلطان گنج پٹنہ کے زیر اہتمام مطبع محمدی پٹنہ سے چھپ کر ۲۴ اگست سنہ ۱۸۷۸ء (سنہ ۱۲۹۵ھ میں) شائع ہوا۔

میر خیرات احمد صاحب محبؔ پالوی۔ شاہ محمد اکبر صاحب اکبرؔ داناپوری۔
حکیم آغا حسن صاحب ازلؔ لکھنوی شاگرد میر وزیر علی صباؔ۔ خواجہ محمد
فخر الدین صاحب سخنؔ عظیم آبادی، مرزا محمد یوسف حسین صاحب ماہرؔ
لکھنوی بد مولانا محمد سعید صاحب عشرتؔ عظیم آبادی۔ انجم صاحب
نے اپنی تقریظ میں گیارہ مخصوص شعرا کا تذکرہ اپنے خاص انداز میں
کیا ہے۔ چنانچہ پانچواں نام نواب محمد علی خاں صاحب حیرتیؔ کا ہے جن
کے متعلق تحریر فرماتے ہیں ...... "پانچویں صاحب دیباچہ نویس
دیوان سخنوری فہرست نگار مجموعہ نام آوری رونق افزائے سخنانِ
شیریں چہرہ آرائے کلام رنگیں مہر اوج والا فکرتی جناب محمد علی خاں
صاحب حیرتیؔ کہ جن کا ہر شعر چشمک زنِ ابروئے شاہدانِ مصری ہے
و ہر مصرع نشتر فرد شِ شریانِ جانِ شعری۔ ؎
ہر اک فقرہ بھی پیغام جنوں ہے پریزادانِ مضموں کو فسوں ہے
یہ صاحب بحرِ علم عروج کے شناور ہیں وافر تمیز بہت زباں
آور ہیں جس رکیک الفاظ نے ان کے کلام بلاغتِ نظام پر حرف
گیری کی منہ کی کھائی نوبت سر بہ گریباں آئی فوراً خفیف ہوا سوہیں
خمسہ سالم نہ رہے ندامت متزاد سے ردیف ہوا"
آپ کو کتب بینی کا بہت شوق تھا۔ بڑے مخیر اور نیک دل
تھے۔ آپ ۲۷ ذیقعدہ ۱۲۲۹ھ کو۔ زیارت عتبات عالیہ کے لئے
روانہ ہوئے۔ جہاز پر بعارضہ تپ بیمار ہوئے اور قریب شہر بحرین

۱۵ جمادی الاخری ۱۲۳۲ھ (۱۸۱۶ء) کو انتقال کیا اور بعد غسل و کفن آپ کی
لاش دریا میں سونپ دی گئی۔ جب اس کی خبر آئی تو سید یوسف
علی خاں (مرحوم) نے جو ان کے احباب خاص میں تھے قرآن میں فال
دیکھی یہ آیت نکلی۔ "ادخل الجنۃ لا خوف علیہم ولا ہم تحزنون"

نمونہ کلام یہ ہے

دیکھا جو حسن آنکھوں سے اس رشکِ ماہ کا / عاشق میں آپ ہو گیا اپنی نگاہ کا
طرفہ بہار خونِ شہیداں نے کی عیاں / میداں ہے لالہ زار تری قتل گاہ کا
پیر فلک کے سر پہ جو ہے تاجِ آفتاب / اترا ہوا ہے تاج مرے کج کلاہ کا

یارب یہ حیرتی کی دعا ہے کہ بعد حج
جاروب کش بنا دے شہِ دیں پناہ کا

کس طرح دکھائے وہ کسی غیر کو صورت / آئینہ نہ دیکھا کبھی جس نے، یہ حیا ہو
رندوں نے کیا ہے رہِ میخانہ فراموش / اے پیر مغاں آکے تو ہی راہ نما ہو
ہے موسم گل جوشِ جنوں کی ہے ترقی / موج مئے گلرنگ سے زنجیر بپا ہو

نہ پوچھو ہمدمو نام و نشاں میرا اب آؤں کیا / میں اک لیلیٰ کا مجنوں ہوں بیاباں ہے وطن میرا

چمن میں لالۂ نو کی طرف میں نے اگر دیکھا / تو دل نے یاد دلوایا وہیں داغِ کہن اپنا
وہ ہوں آزاد بے ساماں اس دنیائے فانی میں / کہ بعد از مرگ ہووے گی یہ عریانی کفن اپنا

فراقِ یار میں کیا حیرتی تم کو تعجب ہے
نکل جائیگی اک دن روح رہ جائیگا تن اپنا

پھنسا ہے دل مرا جب سے خمِ گیسوئے دلبر میں / ہزاروں رنگ کا سودا ہے پیچیدہ مرے سر میں

ہوں مہماں اس طرح میں عبرتی اس دار فانی میں | کہ جیسے میہماں ہو قطرۂ شبنم گل تر میں
ادھر تو دیکھو نہ جاؤ نظر چرائے ہوئے | کہاں چلے ہو بتاؤ قدم دبائے ہوئے
اکیلے رہ گئے عشقی کو سرائے دہر میں ہم | عدم کے قافلہ والے قدم بڑھائے گئے

نواب محمد حسن خاں رشکی

نواب محمد حسن خاں رشکی، نواب خادم حسین خاں خادم مرحوم کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ آپ کو بھی اپنے بڑے بھائی نواب محمد علی خاں حیرتی کی طرح شعر و ادب کا شوق تھا۔ تصنیف و تالیف سے بھی دلچسپی تھی۔ آپ نے فن انشا پر فارسی میں چند رسالے لکھے ہیں۔ شاعری میں پہلے اپنے والد خادم مرحوم سے اصلاح لیتے تھے۔ اُن کے انتقال کے بعد حضرت شیخ وجیہ الدین عشقی (پسر شیخ غلام حسین مجرم مرحوم) سے مشورہ سخن کرنے لگے۔ عشقی اپنے تذکرہ[1] میں آپ کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

رشکی تخلص، اسمش محمد حسن خاں خلف دوم خادم حسین خاں مرحوم خادم تخلص نبیرۂ حاجی احمد علی قیامت تخلص۔ جوانے خلیق، سعادت کیش، از رئیسانِ شہر عظیم آباد است۔

---

[1] تذکرۂ عشقی۔

درمبادی صبح شعور چند رسالہ فارسی در فنِ انشاء، و بعضے از دیوانا
تحصیل نمودہ۔ الحال بیشتر اوقات بہ مطالعہ کتب اخلاق وسیر
اشعار اشتغال دارد۔ گاہ بہ گاہ بہ حسب موزونی طبع خود نیز
مطلعے و غزلے منظوم می سازد و بار اقم (عشقی) اوراق بہ مشورت
اصطلاح این فن می پردازد۔ از وست۔

اُسے غیر کے پاس ہم دیکھتے ہیں :: الٰہی یہ کیسا ستم دیکھتے ہیں
ہم سے ناحق اُسے عداوت ہے :: یا الٰہی یہ کیا قیامت ہے

آپ بے حد خلیق اور ملنسار تھے۔ دوستوں اور عزیزوں سے
بے حد محبت کرتے تھے۔ اپنا زیادہ وقت تلاوت قرآن مجید میں گذارتے
تھے۔ خاندانی وضع داری اور رکھ رکھاؤ کا بہت خیال تھا۔ رئیسانِ
عظیم آباد میں بہت احترام اور عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔
آپ کی پہلی شادی مسماۃ ذکیہ بیگم بنت نواب علی قاسم خاں برادر
خورد نواب علی ابراہیم خاں (مصنف گلزار ابراہیمی) سے ہوئی تھی۔
وہ لاولد انتقال کر گئیں۔ اس کے بعد آپ کی دوسری شادی
امیر النساء بنت شیخ علیم الدین قصبہ بہار ضلع پٹنہ سے ہوئی۔ اُن
کے بطن سے ایک صاحبزادہ نجات حسین خاں آشکی پیدا ہوئے۔ نجات
حسین خاں کو بھی ادب کا بہت پاکیزہ ذوق تھا۔ آشکی تخلص تھا۔ آپ
نے ۱۲۵۸ھ میں لکھنؤ کا سفر کیا اور اپنے سفر کا مفصل حال بہ زبان
فارسی لکھا ہے۔ آپ نے خاندان کے چند افراد کا تذکرہ بھی لکھا ہے

جس کا نام "تذکرۃ الاکابر" رکھا ہے۔ آپ کی شادی مسماۃ کنیز بتول بنت شاہ نوازش حسین ابن شاہ جعفر شیخپورہ سے ہوئی۔ یہ کثیر الاولاد ہوئے۔ نجات حسین خاں آشکی نے ۷ ارصفر ۱۲۶۰ھ میں انتقال کیا۔

محمد حسن خاں رشکی پٹنہ میں بیمار پڑے اور تبدیل آب و ہوا کی غرض سے شیخپورہ گئے اور وہاں پہنچنے کے چار دن بعد ۲۴ ربیع الاول ۱۲۴۳ھ کو انتقال کر گئے۔ حسین آباد ضلع مونگیر کے تالاب والے امام باڑہ کے صحن میں دفن ہوئے۔ رشکی کے چند اشعار ہدیہ ناظرین ہیں۔

(۱) اک نگہ سے جو تری دل کا مرے کام ہوا :. عاشقوں میں ترے میرا بھی بڑا نام ہوا

(۲) ناحق جو خفا ہوئے ہو ہم سے :. تو خیر ہمارا بھی خدا ہے

(۳) آہ کیسی امیدواری ہے :. کہ میرے دل کو بے قراری ہے

(۴) ایک تیر نگاہ سے رشکی :. زخم اس دل میں سخت کاری ہے

(۵) دل میرا آج پینے سے جس کے کباب ہے :. ساقی تو سچ بتا کہ یہ کیسی شراب ہے

قطعہ

(۶) ایک دن اُن سے یوں کہا میں نے :. آج کی رات میرے یاں رہیئے

(۷) وہیں منہ پھیر کر لگا کہنے :. جائیے اور کسی سے یہ کہیئے

۲ہ یہ سفرنامہ خلاصہ سوانح لکھنؤ کے عنوان سے رسالہ معاصر پٹنہ کے جولائی ۱۹۶۲ء کے شمارے میں شایع ہو گیا ہے۔

۳ہ خلاصہ تذکرۃ الاکابر بھی رسالہ معاصر پٹنہ کے جولائی ۱۹۶۲ء کے شمارے میں شائع ہوا ہے۔

دیباچہ

خانوادۂ سنگی دالان پٹنہ

خانوادۂ سنگی دالان، خاندانِ دولی گھاٹ (دیوان محلہ) پٹنہ کی ایک بلند اور بارآور شاخ ہے۔

حاجی احمد علی قیامت ابن شاہ اسد اللہ حج و زیارت سے مشرف ہو کر عظیم آباد (پٹنہ) واپس آئے تو اپنے چچا ملا محمد نصیر مرحوم کے تعمیر کردہ مکان واقعہ محلہ دیوان (جواب دولی گھاٹ ہے) میں قیام پذیر ہوئے۔ آپ کربلائے معلےٰ سے اپنے ہمراہ دو ضریح لائے تھے۔ پہلے دولی گھاٹ میں امام باڑہ بنواکر ایک ضریح وہاں رکھی اور عزاداری قائم کی، دوسرا امام باڑہ کچھ دنوں بعد نزد چوک (موجودہ محلہ سنگی دالان) بنوایا اور ایک ضریح یہاں رکھی اور عزاداری شروع کی اور اس امام باڑہ میں ہر ماہ کی ۲۰ تاریخ (یعنی شب ۲۱) مجلس عزا برپا ہوتی تھی۔ کچھ دنوں بعد آپ نے امام باڑہ سے ملحق خاندان کے مقبرے کے لئے تھوڑی سی زمین خریدی، چنانچہ آپ اور آپکے دونوں صاحبزادے نواب خادم حسین خاں خادم اور نواب ہدایت حسین خاں مومن اور دیگر اعزا یہاں دفن ہوئے۔ اور کچھ عرصہ تک اس جگہ کی حیثیت صرف امام باڑہ اور قبرستان کی رہی۔ لیکن جب نواب

علی عظیم خاں، راجہ چیت سنگھ والی بنارس کی بغاوت فرو ہونے
کے بعد مستقل طور پر اپنے مکان واقع گلزار باغ پٹنہ میں آکر مقیم
ہوئے اور اپنی آخری عمر میں اپنی تمام املاک پٹنہ۔ مظفر پور و
غازیپور مع رہائشی مکانات بذریعہ تمسک سنہ ۱۲۲۱ھ ۱۸۰۶ء اپنے بڑے نواسے
نواب نورالحسن خاں ابن نواب محمد علی خاں خیرتی کو ہبہ کر دی تو آپ
کے چھوٹے نواسے نواب جعفر حسن خاں فیض نانا کی اس بے انصافی
سے کبیدہ خاطر ہوکر گلزار باغ سے چلے آئے اور اپنے بزرگ حاجی
احمد علی قیامت کے بنوائے ہوئے امام باڑہ میں آکر قیام کیا۔ اُس
وقت تک جعفر حسن خاں کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ جعفر حسن خاں
نے حصۂ پدری کی آمدنی سے جواہرات کی (جس میں آپ بہت ماہر
تھے) تجارت شروع کی اور کافی معیشت حاصل کی۔ اور اپنی شادی
غیر برادری حنفی المذہب خاندان میں شاہ رحمت علی صاحب موضع
محمود آباد ضلع پٹنہ کی صاحبزادی امامی بیگم سے کی۔ اس کے بعد جعفر
حسن خاں نے امام باڑہ و قبرستان سے ملحق کافی زمین خرید کی اور اپنی
رہائش کے لئے نہایت عالی شان پختہ مکان مع حویلی تعمیر کرایا۔ اور
مکان کا نام "قصرِ اقبال" رکھا اس عمارت میں اتر رخ دوہرا دالان
بنوایا اور اُس کے صحن میں پتھر بچھوائے۔ چنانچہ اُسی وقت سے اس
دوہرے پتھر کے دالان کی مناسبت سے عرف عام میں سنگی دالان
مشہور ہوگیا۔ اور ہنوز اُسی نام سے مشہور ہے۔ اس طرح خاندان

سنگی دالان کے رکن اعلیٰ نواب جعفر حسن خاں فیض ہیں۔ آپ کے حالات آپ کی سوانح عمری ہیں جو اس کتاب میں درج ہے ملاحظہ کیجئے۔

نواب جعفر حسن خاں صاحب کے بعد ان کے اکلوتے صاحبزادے نواب مھدی علی خاں مھدی نے اپنے حسن وتدبر سے معیشت میں کافی اضافہ کیا اور سنگی دالان کے علاقہ کی کل زمین خرید لی۔ اور جہاں ان کی نسل کے لوگ آباد ہوتے گئے، اس طرح یہ خطہ شرفا کا ایک چھوٹا سا محلہ ہو گیا جہاں صرف ایک خاندان کی اولادیں رہتی ہیں۔ جعفر حسن خاں کا بنوایا ہوا مکان مع دوہرے دالان کے ہنوز موجود ہے گو اس کے موجودہ ورثا کے ہاتھوں اب یہ عمارت بوسیدہ وشکستہ حالت میں ہے اور اپنی آپ مرثیہ خواں ہے۔

جعفر حسن خاں فیض کے بعد اس خاندان میں ان کے اکلوتے لڑکے نواب مھدی علی خاں مھدی اور مھدی علی خاں کے پوتے نواب احمد علی خاں ابن نواب ہادی علی خاں فائز نے بڑی عزت ووقعت حاصل کی۔ اس وقت اس خاندان کے نام لیوا اور سلسلۂ پدری کا ایک رکن ناچیز مصنف کتاب ہذا بھی ہے۔

نواب جعفر حسن خاں فیضؔ (عرف کلو جان)

۱۷۹۹ء / ۱۲۱۴ھ – ۱۸۶۶ء / ۱۲۸۳ھ – ۶۷ سال / ۶۸ سال

نواب جعفر حسن خاں فیضؔ ابن نواب محمد علی خاں جبریؔ۔ آپ پٹنہ کے ایک عالی خاندان کے رکن رکین اور اپنے زمانہ کے رئیس اعظم تھے۔ جس طرح اللہ نے دولت و ثروت دی تھی اسی طرح علم و فضل سے بھی نوازا تھا۔ آپ اپنے وقت کے عربی و فارسی کے جید عالم تھے۔ فلسفہ و ادب۔ ریاضی۔ مصوری اور موسیقی کے ماہر تھے، اس کے علاوہ ایک تجربہ کار و نکتہ رس حکیم تھے، استعداد علمی کا یہ عالم تھا کہ منتہی طلبہ آپ سے معقولات و منقولات کا درس لیا کرتے تھے۔ باوجود دولت و ثروت درس کا ایک وقت مقرر تھا۔ آپ ایک بلند پایہ شاعر تھے فیضؔ تخلص فرماتے اور مصحفیؔ[1] لکھنوی کے شاگرد رشید تھے۔ آپ ایک دفعہ غالباً ۱۲۴۳ھ / ۱۸۲۷ء میں غازی الدین[2] حیدر بادشاہ

---

[1] شیخ غلام ہمدانی مصحفیؔ ولادت ۱۷۵۰ء امروہہ ضلع مراد آباد وفات ۱۸۲۴ء لکھنؤ بذریعہ خط اصلاح لیتے تھے مصحفیؔ کے انتقال کے بعد فیضؔ ۱۸۲۷ء میں لکھنؤ گئے۔

[2] ۱۸۱۴ء میں نواب سعادت علی خاں نے انتقال کیا اور ان کے بیٹے غازی الدین

اودھ کے زمانہ میں اور پھر ۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء محمد علی شاہ (واجد علی شاہ کے دادا)
کے زمانہ میں لکھنؤ گئے اور ناسخ و آتش کے مشاعروں اور معرکوں میں
شریک رہا کئے۔ آتش آپ کے کلام کے بے حد مداح تھے اور آپ کی
اکثر غزلوں پر مصرعے بھی لگائے ہیں، حضرت شاد کے استاد حضرت

(بقیہ صفحہ) حیدر مسندِ وزارت پر متمکن ہوئے۔ غازی الدین حیدر اپنے والد نواب
سعادت علی خاں کی وفات کے پانچ سال بعد تک نواب وزیر ہی کہلاتے رہے۔
لیکن جب ۱۸۱۸ء میں لارڈ ہیسٹنگز نے شاہ دہلی کی کسی بات سے بگڑ کر نظام
حیدر آباد اور نواب وزیر اودھ کو بادشاہ کا خطاب اختیار کرنے کا مشورہ دیا
تو حضور نظام نے مغلیہ بادشاہ کے احترام کے خیال سے نہ مانا مگر غازی الدین
حیدر نے اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کیا ۱۸۱۹ء میں بڑی دھوم دھام
سے ان کی تخت نشینی کی تقریب ہوئی جس کی ناسخ نے تاریخ کہی :-
ع "بگو ناسخ کہ ظل اللہ گردید" غازی الدین حیدر کو شعر سے تھوڑی بہت
دلچسپی تھی چنانچہ مشہور ہے کہ انہوں نے نائب سلطنت معتمد الدولہ آغا میر کے
مشورہ سے جو ناسخ کے مداحوں میں سے تھے۔ ناسخ کو ملک الشعراء کا خطاب
دے کر اپنے دربار سے منسلک کرنا چاہا لیکن ناسخ نے یہ کہہ کر خطاب واپس
کر دیا کہ غازی الدین کو نہ تو شاہان دہلی کا مرتبہ حاصل ہے نہ سرکار انگریزی
کا زور و اقتدار میں اس کا درباری شاعر ہو کر کیا کروں گا۔ غازی الدین
حیدر نے ۱۹ اکتوبر ۱۸۲۷ء میں لکھنؤ میں انتقال کیا اور اپنے بنائے ہوئے

شاہ الفت حسین فریاد سے بے حد دوستانہ تھا۔ چنانچہ حضرت شاد حیاتِ فریاد صفحہ نمبر ۱۳۰ میں لکھتے ہیں کہ "جب کہ حضرت کا (حضرت فریاد کا) سِنِ شریف پچھتر سال کا تھا، ایک دفعہ فرمانے لگے کہ میں نے تمام عمر میں صرف ڈھائی دوست پیدا کئے تھے پورے دوست ایک نواب مرزا مہدی خاں مرحوم، دوسرے پورے دوست نواب جعفر حسن خاں مرحوم اور نصف دوست دیوان مولا بخش مرحوم"۔

لکھنؤ کے قیام کے دوران میں مجتہد العصر والزماں جناب مولانا سید حسین صاحب قبلہ عرف میرن صاحب قبلہ ابن علامہ غفران مآب سید دلدار علی صاحب بانی خاندانِ اجتہاد لکھنؤ سے تحصیل علومِ دین میں عرصہ تک مصروف رہے۔

آپ کی تحریر بڑی پاکیزہ تھی، خطِ نسخ، شکست، تعلیق، کوفی

بقیہ ص۲۸۔ امام باڑہ موسومہ "نجف اشرف" میں دفن ہوئے۔

I ۱۷۹۸ء - ۱۸۱۴ء سعادت علی خاں

II ۱۸۱۴ء - ۱۸۲۷ء غازی الدین حیدر

III ۱۸۲۷ء - ۱۸۳۷ء نصیر الدین حیدر

IV ۱۸۳۷ء - ۱۸۴۲ء ناصر الدولہ محمد علی خاں

(۱) غازی الدین حیدر کے نائب سلطنت معتمد الدولہ آغا میر تھے۔

(۲) نصیر الدین حیدر کے نائب سلطنت روشن الدولہ تھے۔

وغبار پر عبور حاصل تھا لیکن خط نستعلیق و شفیعا میں بڑے ماہر
اور اپنے وقت کے استاد کامل تھے۔ یاقوت رقم کے لکھے ہوئے
قرآن کے اکثر گم شدہ اوراق کا خود لکھ کر وہ جوڑ ملادیتے کہ کوئی پہچان
نہ سکتا۔ آغا رشیدا کی وصلیوں میں امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔

جناب شاد اپنی کتاب نقش پائدار ص ۱۳۲ میں نواب جعفر حسن
خاں کے متعلق لکھتے ہیں[3] "نامی امرائے باعلم وکمال کے تیسرے طبقہ
میں (جن کی زیارت سے راقم بھی فیض یاب ہوا) نواب مستطاب جعفر
حسن خاں فیض تخلص اور اُن کے خلف ارشد نواب مہدی علی خاں
مغفور تھے۔ امارت وریاست وتہذیب وآداب میں حضرت فیض
کی رفتار وگفتار اُس زمانے کے رئیسوں میں دستور العمل تھی۔ آپ
کی ذات برتر صفات پر لوگوں کو ناز تھا۔ علمی استعداد میں اُس وقت

---

[1] ابن مقلع نے جو مقتدر باللہ اور دوسرے خلفائے بنی عباس کا وزیر تھا
خط نسخ اور چند خطوط ایجاد کئے جن کا تکملہ ہجرت کی ساتویں صدی
میں یاقوت مستعصمی نے کیا جو مستعصم باللہ آخر خلیفہ بنی عباس کا غلام تھا۔

[2] میر علی تبریزی نے خط نستعلیق ایجاد کیا اور کمال کو پہونچایا اور
دوسرے خطاط یاقوت مستعصمی، میر علی تبریزی کے بعد ہوئے۔

[3] اسی طرح کا مضمون حضرت شاد نے حیات فریاد ص ۹۸ میں
بھی تحریر کیا ہے۔

آپ کا کوئی مدِ مقابل نہ تھا معقولات، فلسفہ، ادب، طب، ریاضی کون سا فن تھا جس میں آپ صاحبِ فن نہ ہوں، طلاب کے سبق کا ایک وقت مقرر تھا، مذکورِ بالا فنوں کی انتہائی کتابیں آپ ہی اس شہر میں پڑھاتے تھے، خط شفیعا کے استاد بے بدل تھے، نستعلیق میں میر علی اور میر عماد تک کی وصلیوں کا تتبع ایسا کیا کہ فرق دشوار ہو گیا۔ دو دفعہ لکھنؤ تشریف لے جا کر برسوں رہے شاعری میں آپ کو شیخ مصحفی سے تلمذ تھا۔ ناسخ اور آتش کے مشاعروں اور معرکوں میں شریک رہے۔ کلام نہایت صاف بامحاورہ تھا۔ آپ کی غزلوں پر آتش مرحوم نے مصرع بھی لگائے تھے۔ جن دنوں راقم آثم کی شرکت مشاعروں میں ہونے لگی تو آپ پیرانہ سالی کے سبب سے خانہ نشیں تھے مگر شوق اور قدر افزائی کا یہ حال تھا کہ ہر دفعہ نہایت محبت سے غزلیں سننے کو بلوایا کرتے تھے اور انواع اخلاق سے شوق دلواتے تھے۔"

آپ کے نانا نواب علی عظیم خاں صدیقی غازیپوری نے اپنی تمام جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ اور سکونتی مکان واقع غازیپور بذریعہ تمسک نامہ مرقومہ ۱۲۲۱ھ / ۱۸۰۶ء آپ کے بڑے بھائی نواب نور الحسن خاں صاحب کو لکھ دیا تھا۔ اس لیے موصوف اپنے نانا سے رنج ہو کر گلزار باغ سے ۱۸۱۵ء میں سنگی دالان چلے آئے۔ ابتدا سنگی دالان کے امام باڑہ میں جس کو آپ کے جد امجد حاجی احمد علی

قیامت نے بنوایا تھا قیام کیا۔ پدری ترکہ سے جواہرات اور شورہ کی تجارت شروع کی اور ایک بڑی معیشت حاصل کرلی۔ اور اپنے لئے ایک مکان بھی تعمیر کرایا۔ اس مکان کا تاریخی نام یہ ہے۔

"قصر اقبال مشید شد از یں"۔

آپ نے عرصہ تک اپنے خاندان سے قطع تعلق رکھا اور جب تک اپنی مالی حالت اپنے بھائی کے برابر نہ کرلی گلزار باغ میں قدم نہ رکھا۔ آپ کی شادی ایک حنفی خاندان میں شاہ تصدق حسین صاحب موضع محمود آباد ضلع پٹنہ کی ہمشیر اماتی بیگم عرف بی بی بجھوری سے ہوئی تھی، اُن سے آپ کو صرف ایک اولاد نرینہ مہدی علی خاں پیدا ہوئے۔ آپ نے بعارضہ سانجر چہارشنبہ ۱۰ ربیع الاخر ۱۲۸۳ھ مطابق ۲۲ اگست ۱۸۶۶ء پٹنہ میں انتقال کیا اور صحن امام باڑہ سنگی دالان میں دفن ہوئے۔ آپ کے صاحبزادے مہدی علی خاں مہدی نے تاریخ وفات کہی جو سنگ سیاہ پر آپ کے مزار پر کندہ ہے

چوں والد ماجدم جعفر حسن خاں ؛ جو ابر رحمتِ حق را قریں شد
پئے تاریخ سالش کلک مہدی ؛ رقم زد او سوئے خلدِ بریں شد

کلامِ فیض

گلشن میں کل جو بائیِ نظارہ یار تھا ۔ جلوہ گلوں کا دیدۂ بلبل میں خار تھا
وابستگی خزاں سے کچھ ایسی ہوئی ہے فیض ۔ اب یاد بھی نہیں ہے کہ ذوق بہار تھا

عالم ہی کھڑا دیکھ رہا تھا ترا عالم
اک ہم بھی کھڑے دیکھنے والوں میں رہے

یہ دردِ نہاں اب نہیں جاتا نظر آتا
چبھتا ہے رگِ جاں میں سدا خارِ محبت

ہے ضبط میں تاثیرِ سخن باعثِ اظہار
انکارِ محبت ہے اب اقرارِ محبت

ہر چاک یہ سینے کے خیاباں کا ہے عالم
کس جوش سے پھولا ہے یہ گلزارِ محبت

خوباں سے جہاں آج بھی معمور ہے سارا
دل دینے کو لیکن کوئی بیدل نہیں افسوس

ٹھوکر لگی تو اوج پہ جاتی ہے اپنی خاک
ہے سرکشی بہت ابھی اپنے غبار میں

لطفِ گلشن نہیں جب ہم سے گرفتاروں کو
توڑ کے پھینک دو گل پھونک دو گلزاروں کو

ٹوٹے ہوئے دل کے بھی سنو نالۂ جاں سوز
اس سازِ شکستہ کی صدا اور ہی کچھ ہے

گلشن کی نسیمِ سحری راحتِ جاں ہے
ہر کوچۂ جاناں کی ہوا اور ہی کچھ ہے

ہے وصل کا کس دل کو نہیں ذوق مگر فیض
غم کھانے کا ہجراں میں مزا اور ہی کچھ ہے

آتشِ آہ نے شب کو تو دیا پھونک جہاں
تیرگی ہے جو سحر کی یہ دھواں اس کا ہے

دن ہوا ہجر کا جس طرح بسر دیکھ چکے
رات بھی ایسی ہی ہو گی تو سحر دیکھ چکے

بیٹھنا پاس ہمارا اُسے منظور نہ تھا
رات صحبت میں ہم اندازِ نظر دیکھ چکے

آستیں جل گئی دامن سے دھواں اٹھتا ہے
قطرۂ اشک میں تاثیرِ شرر دیکھ چکے

آمدِ یار کی گلشن میں خبر پائی ہے
کاش آ جائے تو گل کی بڑی رسوائی ہے

خود نمائی پہ تری محو ہے عالم پیارے
آئینہ بھی اسی عالم کا تماشائی ہے

زیبِ تن کرتے سدا جامۂ عریانی ہم
کیا کریں اپنے گلے تو پڑی مرزائی ہے

سادگی نے تری ہم کو تو کیا ہے بےخود
اس قدر کس لئے تو محوِ خود آرائی ہے

ہم گرفتار بھی ہو کر نہیں سمجھے افسوس
کون سی بات کا صیاد تمنائی ہے

نواب مہدی علی خاں مہدیؔ

۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۸ء — ار شوال / مارچ

۱۲۳۴ھ / ۱۸۱۸ء

۸۲ سال / ۸۰ سال

آپ نواب جعفر حسن خاں فیضؔ کے اکلوتے صاحبزادے تھے۔
آپ کی شادی اپنے حقیقی ماموں شاہ تصدق حسین صاحب موضع محمودہ ضلع پٹنہ کی صاحبزادی بی بی مخدوم النسا عرف بی بی مخدومن سے ہوئی تھی۔ جعفر حسن خاں جب اپنے نانا نواب علی عظیم خاں سے خفا ہو کر گلزار باغ سے سنگی دالان میں آکر رہنے لگے تو آپ نے برادری سے ایک قسم کا قطع تعلق کر رکھا تھا، چنانچہ اپنی شادی ایک غیر برادری حنفی المذہب خاندان میں کی اور بعد میں اپنے صاحبزادہ مہدی علی خاں کی بھی شادی اسی حنفی خاندان میں کی۔ مہدی علی خاں صاحب نے دوسری شادی سید علی صاحب ساکن مغلپورہ کی صاحبزادی ..... سے کی اُن کے بطن سے ایک صاحبزادے محمد حسن خاں عرف چمرو میاں پیدا ہوئے۔

نواب جعفر حسن خاں نے اپنی خاص نگرانی میں اپنے صاحبزادہ کی اُس زمانہ کے مشہور و معروف اساتذہ سے تعلیم دلوائی، اور جب ابتدائی تعلیم ختم ہو گئی تو معقولات و منقولات کی تعلیم خود دی۔ یہ فیضؔ کا فیض تھا کہ مہدی علی خاں بہت جلد فلسفہ، ادب، طب و ریاضی میں ایسے ماہر ہو گئے کہ اپنے والد بزرگوار کی زندگی ہی میں منتہی طلبہ کو سبق دینے لگے۔ چنانچہ جناب شادؔ اپنی مشہور کتاب نقش پائدار صـ ۱۳۲ میں یوں رقم طراز ہیں۔

نواب جعفر حسن خاں فیضؔ تخلص کا ذکر متن میں کئی جگہ آیا

ہے، آپ اپنے زمانہ میں یکتائے روزگار، کئی علم و کمال میں فائق تھے، آپ کے طریقۂ بود و باش کی تقلید یہاں کے رؤساء باعث فخر سمجھتے تھے، اگر تفصیل سے لکھوں تو ایک دفتر ہو جائے، آپ پرانے خاندان کے ایک رکن تھے۔ آپ کے صاحبزادے مہدی علی خاں مرحوم کی رفتار و گفتار قدم بقدم اپنے پدر بزرگوار کی تھی وہ کون سا فن تھا کہ یہ دونوں باپ بیٹے اُس کے جامع نہ تھے افسوس ہے کہ مجھکو موقع نہ ملا ورنہ دونوں صاحبوں کی سوانح عمری لکھ کر دکھاتا کہ ہمارے اس شہر میں کیسے کیسے رئیس پیدا ہوئے، خدا کے فضل و کرم سے ابتک ان صاحبوں کا خاندان مشہور و معروف ہے۔"

مہدیؔ علی خاں کو شاعری کا ذوق ورا نتاً ملا تھا۔ آپ مہدی تخلص فرماتے تھے، [1] ابتدا میں شیخ غلام علی راسخؔ عظیم آبادی کو اپنا کلام دکھلاتے تھے، راسخؔ نے ۱۲۳۸ھ یا ۱۲۴۰ھ کے درمیان انتقال کیا۔ تو آپ نے اپنے والد ماجد جناب فیض شاگرد مصحفی سے اصلاح لینے اور مشورہ سخن کرنے لگے، آپ کا کلام تغزل کا بہترین نمونہ تھا۔ آپ کا دیوان مرتب تھا لیکن وہ تلف ہو گیا۔ اپنے کلام

---

[1] بحوالہ تاریخ شعرائے بہار از عزیزالدین احمد بلخی راز ص ۱۸ و "راسخ" از عبدالحمید حمید عظیم آبادی ص ۲۸ مگر یہ غلط ہے مہدی اس وقت چار سال کی عمر کے تھے۔

کے تلف ہو جانے کو خود مہدی علی خاں صاحب نے اپنی ایک یادداشت میں جو بہ زبان فارسی ہے اور مصنف کے پاس موجود ہے لکھتے ہیں۔
"کہ میرا اور میرے والد نواب جعفر حسن خاں فیض کا کلام ایک ہی جلد میں تھا جو میرے منجھلے لڑکے ہادی علی خاں فائز کے پاس تھا۔ ہادی علی خاں کی جواں مرگی سے میرے ہوش و حواس جاتے رہے، شاہ تفضل حسین صاحب (محمود) جو ہادی علی خاں کے اپنے ماموں اور خسر بھی تھے اس کے لڑکے احمد علی خاں سلمہ اللہ تعالیٰ اور مرحوم کے کل سامان کو اپنے ہمراہ لے گئے جس میں میرا اور میرے والد مرحوم کے کلام کے علاوہ مرحوم فائز کا بھی کل کلام تھا۔ کچھ دنوں بعد میں نے جناب شاہ صاحب سے طلب کیا کہ اُن کلاموں کو دیدیجیے کر چھپوا دوں، شاہ صاحب نے فرمایا کہ وہ سب چیزیں تلف ہو گئیں"۔
یہی وجہ ہے کہ میری شدید تلاش و جستجو کے باوجود فیض، مہدی، و فائز مرحومین کے وہ کلام جن پر اُن حضرات کی شہرت کا دارومدار تھا دستیاب نہ ہو سکا۔ جو کچھ کلام مختلف رسالے اور گلدستوں سے حاصل ہوا وہ اُن حضرات کا ابتدائی کلام ہے۔

اپنے والد کی طرح آپ بھی بڑے صاحب علم و کمال تھے، آپ بھی بہت خوش خط تھے اور فیض صاحب کی طرح خط شفیعا[1] میں بڑی

---

[1] عبد الرشید دیلمی و سید علی خاں جواہر رقم بن آقا شفیع۔ اس فن کے مشہور ماہرین تھے۔

مہارت حاصل کر لی تھی۔ طب میں بھی آپ کو بڑا دخل تھا۔ طلاب آپ سے طب کا سبق لیتے تھے جس کے لئے ایک خاص وقت مقرر تھا۔ فن طب میں ایک کتاب بھی آپ نے تصنیف کی ہے۔ اس کتاب کا ایک نسخہ کتبخانۂ علوی حسین آباد میں موجود ہے۔ آپ صاحب تصنیف و تالیف بھی تھے تاریخ وقائع بنگال و سوانح عمری جناب امیر علیہ السلام لکھی، اسی طرح ایک لاجواب استدلالی کتاب "یوم الغدیر" لکھی ہے جو ۱۳۰۲ھ میں مطبع صبح صادق پٹنہ میں طبع ہو چکی ہے[۱]۔

مہدی علی خاں علم و ادب کے علاوہ شہسواری کے بھی بڑے ماہر تھے، اور انتظام زمینداری میں بھی ماہر تھے جعفر حسن خاں نے جو کچھ زمینداری و معیشت حاصل کی تھی اُس کو آپ نے اپنے حسن تدبیر سے دو چند کیا۔ آپ کے حسن اخلاق کا ہر خاص و عام معترف تھا۔ یہاں کے معزز رئیسوں میں آپ کا شمار تھا۔ حضرت شاد بھی آپ کی صحبت سے فیضیاب ہوئے ہیں۔ آپ نے ایک طویل عمر پائی اور ۲۸ر شوال ۱۳۱۵ھ میں انتقال فرمایا اور مقبرہ سنگی دالان میں اپنے والد ماجد جعفر حسن خاں کے پہلو میں دفن ہوئے۔

مولوی مظہر حسن ساکن حسن گنج پورہ چھپرہ نے تاریخ کہی،

خان والا مرتبت مہدی علی ؛؛ ذی حشم نواب عالی خانداں

---

[۱] درآخر ماہ ربیع الاول ۱۳۰۲ھ طبع شد۔

کربلا و کاظمین و سامرہ ؛ ہم نجف را بود زائر بے گماں
صاحبِ علم و رئیسِ پٹنہ بود ؛ رفت در پیرانہ سالی در جناں
خازنِ جنت بہ نظم گفت سال
ایں کنوں محمد مہدی علی خاں در جناں

نمونہ کلام

جب شگفتہ لالۂ خونیں کفن ہو جائے گا[1] ؛ بے ستوں پر تازہ خونِ کوہکن ہو جائے گا
ہے محیطِ امن تہ تک فیض اوس کے نور کا ؛ ہر شرر ہے سنگ میں ہمسر چراغ طور کا
پنجۂ بیتابیٔ عاشق نہ سمجھا تھا یہ بھید ؛ پردہ در غفلت کا چاک پیرہن ہو جائیگا

غزل

(ماخوذ از سخن شعرا)

فغاں کے ساتھ لب تک دم بدم آنے سے کیا حاصل
کہو اس جانِ غمگیں سے کہ گھبرانے سے کیا حاصل
خزاں میں کیا مزا ہے زمزمہ پرداز ہونے کا
کہو بلبل سے بس اب گل کے افسانے سے کیا حاصل
مزا کچھ جان دینے کا دلِ عاشق سمجھتا ہے
کوئی پروانے سے پوچھے کہ جل جانے سے کیا حاصل
نگاہِ مستِ ساقی سے ہے بزمِ مئے کی کیفیت
نہیں تو ساغر و مینا دکھانے سے کیا حاصل

---

[1] ماخوذ از تاریخ شعرا بہار عزیز الدین احمد بلخی راز صفحہ ۱۸۱ "راسخ" از عبد الحمید حمید عظیم آبادی صفحہ ۲۸

نصیحت ہم سے دیوانے بھلا کب گوش کرتے ہیں
کوئی ناصح کو سمجھا دے کہ سمجھانے سے کیا حاصل

نکھر جانا ہی اس جانِ حزیں کا جلد بہتر ہے
بس اب اے ناتوانی لب پہ ٹھہرانے سے کیا حاصل

غم اس کا کھائے اے دل کہ جس میں غم گساری ہو
کسی بے رحم کی الفت میں غم کھانے سے کیا حاصل

کدورت یار کے دل کی گئی کب اشکِ صافی سے
اب اس خوناب دل کے منفعل آنے سے کیا حاصل

سنانا جس کو تھا منظور درد دل نہ آیا وہ
پھر اب مہدی غزل اس بزم میں لانے سے کیا حاصل

نواب ہادی علی خاں فائز

آپ نواب مہدی علی خاں مہدی کے منجھلے صاحبزادے تھے، آپ کی شادی اپنے ماموں شاہ تفضل حسین صاحب محمود آباد ضلع پٹنہ کی اکلوتی لڑکی امیر النساء عرف بی بی امیرن سے ہوئی تھی، آپ بچپن ہی سے بے حد ذہین، ہوشیار اور سمجھدار تھے، اور جوانی ہی میں امور زمینداری میں اتنے ماہر ہو گئے کہ باپ کی زندگی ہی میں زمینداری کی دیکھ بھال آپ کے سپرد کر دی گئی۔

درس کی منتہی کتابیں اپنے والد سے پڑھ رہے تھے، ادب کا بڑا پاکیزہ ذوق تھا۔ مولانا سید مظہر حسین صاحب مظہر غازیپوری سے شرفِ تلمذ تھا۔ اور فائز تخلص فرماتے تھے۔ مذہبی جوش بھی آپ میں بدرجۂ اتم تھا۔ ایک کتاب "نورِ ایماں"[1] مناظرہ میں لکھی جو طبع ہو چکی ہے۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ کتبخانہ علوی حسین آباد میں محفوظ موجود ہے۔ افسوس حیات نے وفا نہ کی اور ۲۷۔۲۸ برس کی عمر میں اپنے والد کی زندگی میں انتقال کر گئے۔ سنگی دالان کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔

نواب مہدی علی خاں مہدی کے تذکرہ میں لکھ چکا ہوں کہ کس طرح ہادی علی خاں کے انتقال کے بعد فیض، مہدی و فائز کا کل کلام شاہ تفضل حسین صاحب محمودہ کی غفلت ولاپروائی سے تلف ہوگیا۔ اس طرح تین پشتوں کا ادبی سرمایہ نذرِ غفلت ہوگیا۔ بڑی کد و کاوش کے بعد تین غزلیں فائز کی بابو سکھراج بہادر رحمتی کے مشہور مشاعروں کے چھپے ہوئے گلدستوں (سنہ ۱۲۹۵ھ) سے حاصل ہوئیں

نمونہ کلام

پچھتائے لے کے نام بہت اوسکی چاہ کا ؛ پہلے خیال دل کو نہ آیا نباہ کا
لحد سے اب نہ جائیں گے کہیں اے قافلہ والو ؛ یہاں طے کر کے رستہ آئے ہیں ہم زندگی بھر میں

---

[1] (مطبع صبح صادق عظیم آباد سنہ ۱۳۰۱ھ طبع شد)

حیرت ہے وہ نالہ نہ ترے کان میں پہنچے :: جو نالۂ دل، ہر افلاک رسا ہو
آنکھوں سے بھتے نہ اپنے آنسو :: دریا رہا موج زن ہمیشہ
کوچۂ جاناں سے آئی ہر صدائے جاں خراش :: مل گیا دل کا پتا مجھکو اسی منزل میں ہے
قاتل اس دم تو الٹ دے اپنے چہرہ سے نقاب :: آخری دیدار کی حسرت دل بسمل میں ہے

عابد حسین خاں عابد

محمد علی خاں حیرتی نے زوجہ اولیٰ بی بی بیگم دختر علی عظیم خاں کے انتقال کے بعد دوسری شادی محلہ مغلپورہ میں کی جن کے بطن سے عابد حسین خاں پیدا ہوئے۔ حیرتی ۲۷ ذیقعدہ ۱۲۲۹ھ کو زیارت عتبات عالیہ کیلئے روانہ ہوئے اور اپنے ہمراہ عابد حسین اور ان کی والدہ کو بھی ساتھ لیتے گئے لیکن جہاز ہی پر حیرتی کا انتقال ہو گیا۔ عابد حسین خاں اپنی والدہ کو لیکر تمام مقاماتِ مقدسہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ دو سال وہاں قیام کیا واپسی کے بعد تحصیل علم میں مشغول ہوئے اور اپنے چچا محمد حسن خاں اشکی سے فارسی و عربی کا درس لینے لگے اور مرزا احمد مرحوم معروف بہ جہاں پناہ المتخلص بہ منشا جو نظم و نثر میں اس وقت یگانۂ روزگار تھے ان کی طرف رجوع کیا۔ نثر پاکیزہ اور اشعار پُر کیف نظم کرنے لگے۔ آپ خط نستعلیق کے بھی ماہر تھے۔ آخر عمر میں گوشہ نشیں ہو گئے تھے اور زیادہ تر وقت عبادت میں گذارتے تھے۔ آپ کا مزار امام باڑہ سنگی دالان کے صحن میں ہے۔

نواب احمد علی خاں

نواب احمد علی خاں عرف احمد و نواب ابن نواب ہادی علی خاں
فائز ابن مہدی علی خاں مہدی ابن جعفر حسین خاں فیض ......

آپ سنہ ۱۸۸۰ء میں بہ مقام سنگی دالان عظیم آباد پٹنہ پیدا ہوئے کمسنی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ آپ کے دادا اپنے بیٹے کی جواں مرگی سے نڈھال ہو رہے تھے۔ اس لئے آپ کے نانا شاہ تفضل حسین صاحب اپنی جوان بیوہ بیٹی اور اکلوتے نواسے کو اپنے مکان موضع محمود آباد ضلع پٹنہ لے آئے اور بڑے ناز و نعم سے پرورش و پرداخت کی۔

شاہ تفضل حسین صاحب کی صرف ایک صاحبزادی امیر النساء بیگم عرف بی بی ہیرن تھیں جن کے اکلوتے لڑکے احمد علی خاں تھے داماد کی جوانمرگی کے بعد جناب شاہ تفضل حسین صاحب نے اپنی کل معیشت چالیس پچاس ہزار روپیہ سالانہ کی جائداد اپنے نواسے (احمد علی خاں) کے نام ہبہ کر دی اور احمد علی خاں کی دو بہنوں کو جس میں ایک اُن سے بڑی اور دوسری چھوٹی تھیں ایک خرمہرہ نہ دیا، اس طرح احمد علی خاں کی مالی حالت نہ صرف اپنے ننھیالی بلکہ ددھیالی رشتہ داروں اور قرابت مندوں سے بہت زیادہ ہو گئی۔ محال محمودہ و دیگر مواضعات شاہ تفضل حسین صاحب ہی کے عنایت کردہ ہیں۔

کم عمری میں یتیم ہو جانے کی وجہ کر آپ کی تعلیم جس طرح اس

خاندان کے ایک فرد کی ہونی چاہیئے نہ ہو سکی۔ جدامجد مہدی علی خاں اپنی ضعیفی سے زیادہ اپنے نورِ نظر لختِ جگر ہادی علی خاں کی جوانمرگی سے نڈھال تھے شاہ تفضل حسین صاحب بھی اپنی اکلوتی جوان بیوہ بیٹی کا افسردہ و پژمردہ چہرہ دیکھ کر خاموش تھے۔ پھر بھی محمود آباد میں شاہ تفضل حسین صاحب کے زیرِ نگرانی کچھ اردو اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ لیکن یہ سلسلہ دیر تک قائم نہ رہ سکا۔ نانا اور ماں کے انتقال کے بعد احمد علی خاں پھر اپنے جدامجد نواب مہدی علی خاں کی خدمت میں سنگی دالان آ گئے۔ یہاں آکر کچھ دنوں پٹنہ سیٹی گورنمنٹ اسکول کے ابتدائی درجوں میں تعلیم حاصل کی۔ لیکن آپ کا ادبی ذوق مہدی علی خاں کے آخری عمر کی صحبت اور پٹنہ کی ادبی محفلوں میں نکھرا۔ آپ شاعر نہ تھے لیکن ادبی ذوق اتنا پاکیزہ و ستھرا تھا کہ تقریباً ہر بزم ادب کی مجلسوں میں آپ صدر نشین ہوا کرتے تھے۔ آپ کے عالیشان دولتکدہ "نواب منزل" ف میں اور کبھی آپ کے بڑے صاحبزادے محمود علیخاں ضیا (تلمیذ حضرت شاد عظیم آبادی) کے مکان "کاشانہ" میں بڑے ثنان

ف آبائی مکان "قصرِ اقبال" سنگی دالان میں جتنا حصہ آپ کو ترکے میں ملا اس میں گنجائش نہ ہو سکتی تھی اس لئے آپ نے محلہ خواجہ کلاں میں کافی زمین خرید کر اپنے لئے ایک دو منزلہ نہایت عالیشان عمارت نئے طرز کی ۱۹۰۹ء میں تعمیر کرائی جس کا نام "نواب منزل" رکھا۔ یہ مکان آج بھی موجود ہے مگر اپنے مالکوں کی بے اعتنائیوں کی شکوہ سنج۔

سے ادبی مجلسیں منعقد ہوا کرتی تھیں۔ انجمن تلامیذ الرحمن (بزمِ شاد) کے آپ سرپرست تھے تقریباً ہر ماہ صحبتِ مشاعرہ ہوا کرتی جس میں حضرتِ شادؔ مرحوم کے ارشدِ تلامذہ حضرت امدادؔ، بیتابؔ، حمیدؔ، شیداؔ، آتشیںؔ، وکیفؔ وغیرہم شریک ہوتے تھے۔

رفتار گفتار، لب و لہجہ اور حسنِ اخلاق میں آپ اپنے جدِ امجد نواب مہدی علی خاں کے ہو بہو نمونہ تھے۔ آپ کا اخلاق اتنا اعلیٰ و بلند تھا کہ اپنے تو اپنے غیر مذہب والے بھی آپ کا احترام کرتے تھے۔ آپ کو سیاست سے دور کا کبھی لگاؤ نہ رہا۔ حکومت پرستی سے بھی آپ نے ہمیشہ احتراز کیا۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود دولت و ثروت اور عام مقبولیت کے آپ نے حکومتِ وقت (انگریزوں) سے کسی قسم کا خطاب اور اعزاز حاصل نہ کیا۔ اس پر بھی عرفِ عام میں "نواب صاحب" ہی کے نام سے مشہور رہے۔

جناب شادؔ اپنی کتاب نقشِ پائدار ص۱۳۲ میں نواب جعفر حسن خاں فیضؔ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:—

"الغرض اس خاندان میں فی زماننا یہ دو حضرات قدم بقدم اپنے بزرگوں کے ہیں، ایک نواب احمد علی خاں اور دوسرے نواب عنایت حسن خاں، وہی رفتار و گفتار اِن صاحبوں کی ہے جو اِن کے مورثوں کی تھی، ان کے ملنے سے پتا لگتا ہے کہ یہ پھول کس شاخ کے اور یہ میوے کس ڈال کے ہیں۔ دونوں صاحبِ اولاد ہیں، خداوند عالم ان کے عمر و اقبال میں ترقی عطا کرے۔"

یوں تو کہنے کو آپ مذہباً اثنا عشری تھے مگر چار پشتوں کی متواتر شادیاں حنفی المذہب خاندان میں ہوئیں۔ آپ کے نانا اور نانی شاہ تفضل حسین صاحب و پیاری بیگم اور ماں سب حنفی المذہب تھے۔ اور باپ کے مرنے کے بعد انہیں لوگوں کی آغوش میں آپ نے تربیت پائی اور پل کر جوان ہوئے۔ اس کے علاوہ آپ کی شریک حیات بھی سُنّی تھیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ پر کبھی بھی مذہبی تعصب کا رنگ نہ چڑھا۔ چنانچہ آپ نے کئی اولاد کی شادی بھی سُنّی خاندان میں کی۔[1]

آپ کے دوستوں اور احبابوں کی تعداد بہت مختصر و محدود تھی لیکن ان میں زیادہ تر تعداد حنفی المذہب حضرات کی تھی۔ آپ کے مخصوص دوستوں میں (۱) جناب خاں بہادر سید شاہ محی الدین عرف شاہ کمال مرحوم ابن شاہ مبارک مرحوم لودیکٹرہ (۲) جناب خاں بہادر سر سید محمدؐ فخر الدین مرحوم وزیر تعلیمات صوبہ واڑیسہ (۳) عزیز قوم مسٹر سید عبد العزیز مرحوم بیرسٹر سابق وزیر تعلیم صوبہ بہار و وزیر امور مذہبی حکومت عثمانیہ حیدر آباد دکن (۴) جناب خاں بہادر میر ابراہیم

---

[1] اپنی بڑی صاحبزادی بی بی احمدی بیگم جن کا نام اپنے نام کی مناسبت سے رکھا تھا ان کی شادی، جناب سید شاہ خیرات احمد مرحوم رئیس محلہ اصل گدڑی بہار شریف کے بڑے صاحبزادہ سید شاہ ممتاز احمد سے ۱۲ مئی ۱۹۳۱ء م ۲۴ ذالحجہ ۱۳۴۹ھ کو انجام دی۔

حسین مرحوم ابن میر واجد حسین مرحوم رئیس ڈیڑھی گھاٹ پٹنہ تھے۔ یہ سب کے سب حنفی المذہب تھے۔

آپ کا قد میانہ۔ جسم دہرا۔ رنگ سانولا، گول چہرہ اس پر خشخشی داڑھی، ستواں ناک، چمک دار چھوٹی آنکھیں، چہرہ پر وقار اور ریاست کی شان نمایاں تھی۔ ضعیفی میں پڑھنے لکھنے کے وقت عینک استعمال کرتے تھے۔ بڑے کر و فر و شان و شوکت سے رہتے۔ لباس عمدہ اور نفیس زیب تن کرتے مکان عالی شان صاف و ستھرا۔ اثاث البیت عمدہ و نفیس، ملازمین وفا شعار و مہذب، ہمیشہ عمدہ دو گھوڑوں کی جوڑیوں اور بیش قیمت موٹر کاروں پر نکلتے۔ بینک میں لاکھوں روپے جمع۔ جائیداد پر کسی قسم کا بار نہیں، رعیت خوش، غریب پروری اور نیک نفسی کا یہ عالم کہ معمولی سے معمولی ضرورتمند بلا تکلف آپ کے پاس چلا آتا۔ غریبوں کی عزت کرتے اور کبھی کسی سائل کو واپس نہ کرتے۔ شریف پرور ایسے کہ جو کسی کو دیا وہ اولاد کو نہ معلوم ہو سکا۔ زندگی بھر کبھی کسی سے اختلاف نہ ہوا۔ خاندان سنگی دالان کے بزرگ اور شہر کے رکن رکین تھے۔ جس بزم و جلسہ میں شریک ہوتے اس کی زینت بڑھ جاتی۔

یکایک انقلاب عظیم آیا۔ ۳۰ر اپریل ۱۹۴۶ء کو دوپہر کا کھانا تناول کرنے کے بعد آپ یکایک "نواب منزل" میں غش کھا کر گر پڑے فوراً ڈاکٹر بلایا گیا اور طبیعت سنبھل گئی لیکن ۲۶ مئی ۱۹۴۲ء سے

پھر طبیعت خراب ہوئی اور خراب ہوتی گئی۔ پٹنہ، رانچی اور کلکتہ کے بڑے بڑے ڈاکٹروں اور حکیموں کا علاج ہوتا رہا اور علاج کے سلسلہ میں بے دریغ روپیہ پانی کی طرح بہایا گیا لیکن "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"۔ آخر میں پیشاب بند ہو گیا۔ اس کے لئے کیپٹن ان۔ پال نے جو اس وقت پٹنہ کا مشہور سرجن تھا دو دو بار اپریشن کیا۔ آخری آپریشن ۲۱ مئی ۴۳ء کو ہوا اس کے نو روز بعد ایک سال سے کچھ زیادہ شدید طور پر علیل رہ کر اتوار ۳۰ مئی ۴۳ء کو خانوادہ سنگی دالان کا یہ آخری درخشاں چراغ سر شام ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا اور ساری بہاریں سمیٹ کر اپنے ساتھ لیتا گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

دوسری جنگ عظیم شباب پر تھی ہندوستان کے ہر شہر میں بلیک آؤٹ اور کرفیو تھا۔ پٹنہ میں بھی اس قانون کا نفاذ تھا۔ اس پر یہ سانحہ عظیم۔ باپ کا بیٹھ کر ماتم کریں یا زمین پر لوٹتے ڈھاریں مارتے ہوئے چھوٹے بھائی بہنوں کو اٹھا کر سینے سے لگائیں یا غمزدہ بوڑھی ماں کے خون کے آنسوؤں کو اپنے دامن میں لیں۔ یا باپ کی تجہیز و تکفین کا اس گرمی کی شب میں انتظام کریں تاکہ لاش خراب نہ ہو۔ غرض کہ صبر و تحمل کی ایک کڑی آزمائش تھی۔ پختہ قبر کے لئے اینٹوں کا ملنا محال تھا مجبوراً مکان کی چہار دیواری کی اینٹیں ملازمین کے ہمراہ چھوٹے چھوٹے بچوں نے رو رو کر اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اسی شب میں اتاریں اور اپنی موٹر پر لاد لاد کر خاندانی امام باڑہ کے قبرستان میں جہاں

اپنے آباواجداد آرام فرما میں پہنچایا۔ ملازمین وفا شعار نے بھی وہ کام انجام دیئے جس کا تصور بھی اس زمانہ میں نہیں کیا جا سکتا ہے۔ رات ہی کے وقت میّت کو غسل دے کر کفنا دیا گیا۔ قبر بھی پختہ صبح تک تیار ہو گئی، دوسرے دن صبح دس بجے جناب حکیم سید فرحت حسین صاحب قبلہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ خاندان کے افراد کے ہمراہ شہر کے معززین وہر فرقہ اور مذہب کی ایک کثیر جماعت جنازہ کے ساتھ قبرستان گئی۔ گیارہ بجے دن کو امام باڑہ کے اندرونی رواق میں مغربی وجنوبی دیوار کے قریب اپنے ان کانپتے ہاتھوں سے باپ کے جسمِ خاکی کو سپردِ خاک کیا۔ چند ورثا بے نیاز کفنا رہے بیٹھے رہے۔

لیکن فطرت کی سازشیں بھی عجیب ہوتی ہیں۔ احمد علی خاں صاحب نے اپنے لڑکوں کی تعلیم وتربیت کے لئے کافی روپے خرچ کئے۔ بڑی بڑی تنخواہوں پر قابل اساتذہ مقرر کئے۔ لیکن اپنی فطری نیک مزاجی کی وجہ کر تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں جس قسم کی سختی اور نگرانی کی ضرورت ہوتی ہے وہ بالکل نہ کر سکے۔ لڑکوں نے اس کا غلط فائدہ اٹھایا جوں جوں جوان ہوتے گئے قبضہ سے باہر اور تعلیم سے بے نیاز ہوتے گئے۔ تقریباً سبھی لڑکوں نے شادی کے قبل ہی تعلیم کو خیرباد کہہ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ "ایں خانہ تمام آفتاب است" ہو کر رہ گیا۔ پورے شہر میں احمد علی خاں صاحب ہی کا گھرانا ہے جہاں تعلیم نام کو نہیں اور جہالت کا دور دورہ ہے۔ نواب زوار علی خاں ابن نواب

بہادر علی خاں حسین آبادی کا یہ دو شعر[1] اس گھرانہ پر کس قدر صادق آتا ہے۔

زندگانی میں جہالت موت قبل از موت ہے ؛ مردِ جاہل گرچہ ہے زندہ پہ زندہ ہی نہیں
قلبِ جاہل گورِ کافر کی طرح بے نور ہے ؛ علم سے خالی جو سینہ ہے وہ سینہ ہی نہیں

اسے امتدادِ زمانہ کہئے یا شومی قسمت، زمینداری جس پر شرافت وعزت کا دارومدار تھا وہ بھی نہ رہی۔ حکومت نے زمینداری ختم کرکے ایک اور بھرپور ضرب لگائی۔ علم سے پہلے ہی بے بہرہ، اب پیسے بھی نہیں زمینداری کے کچھ معاوضے اور گھر کی چیزیں فروخت کرکے گذر اوقات ہو رہی ہے اخلاق واطوار پر جو اثر پڑا اس کا تذکرہ بے سود ولاحاصل۔ یہ وہی خاندان تھا جو شرافت، نجابت وعزت میں شہر میں اپنا نظیر آپ تھا، علم وادب جس کے گھر کی لونڈی تھی۔ دولت جس کے پاؤں چومتی تھی۔ اخلاق وہمدردی، مروت ومحبت جس گھر کا ہمیشہ سے طرۂ امتیاز رہا۔ حکومت وعوام میں جن کے ہر فرد کی قدر ومنزلت ہوتی تھی۔ آہ! آج وہی گھر ہے جس کے افراد میں نفاق ہے ایک دوسرے کی توہین اور ایذا رسانی کے درپے ہے۔ چھوٹا، بڑے کو جوتوں سے مار رہا ہے۔ اور اپنی اس غنڈہ گردی پر فخر کر رہا ہے کسی کا لڑکا اوباشی میں محلہ کے تھانہ میں بند ہے لیکن باپ کو حیا

---

[1] از شمع انجمن ص۸

اور شرم نہیں آتی۔ کوئی اپنے محسن جس نے اس کی اولاد کے سر پر سہرا بندھوا دیا اس کے گھر میں ساز ش سے نفاق پیدا کرا کے غصب کردہ زیورات سے اپنی اولاد کو سنوار رہا ہے جس میں ایک یتیم بیکس ناکتخدا لڑکی کا بھی ترکہ وحصہ تھا۔ کوئی کسی قلم اسٹار کی کمائی پر بمبئی میں عیش وعشرت کر رہا ہے۔ اور اہلِ قرابت میں "بھائی جان" بنا ہے۔ کوئی فطرتاً معذور بی بی کی دولت پر نواب بنا تال ٹھوک رہا، کوئی حقداروں کا حق مار کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی "منزل" بنا کر بے ملک کا نواب بنا ہوا ہے۔ الغرض ہر عمل کی دستگیری بے ایمانی۔ خود غرضی اور جہالت کر رہی ہے۔ در و دیوار پر نکبت و افلاس کے آثار نمایاں ہیں۔ آنکھیں خون کے آنسو بہا رہی ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

الحاجہ بی بی مسعودۃ النساء

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ ماتم ؛ ورنہ دنیا میں سب ہی آئے ہیں مرنے کیلئے

مسعودۃ النساء عرف مہدی بیگم بنت حاجی حافظ عبداللہ ابن حاجی مدارالله ابن حاجی خیراللہ غازیپوری محلہ پربہنہ و زوجہ نواب احمد علی خاں ابن نواب ہادی علی خاں غازیپوری نتھگی والان۔ بقیۂ آپ بڑی زاہدہ و عابدہ، منکسر المزاج، شیریں زباں و نیک طینت تھیں۔ باوجود ایک امیر کبیر کی اہلیہ ہوتے کے بڑی سادہ و مختصر زندگی بسر کی اور اسراف

سے بچنے پر پرہیز کیا، انتقال سے تقریباً چالیس پینتالیس ۴۵ سال قبل
سے رنگین کپڑے پہننا چھوڑ دیا تھا صرف سفید کپڑے پہنتی تھیں جب
سے میں نے ہوش سنبھالا مجھے یاد نہیں کہ ان کو کبھی رنگین یا ریشمی
کپڑوں میں ملبوس دیکھا ہو، چوڑیاں اور زیورات بھی کبھی پہنتے نہیں
دیکھا گو خداوند کریم نے کافی مال و زر عطا کئے تھے، کھانے پینے کے سلسلہ
میں تو اس قدر محتاط تھیں کہ عزیز و اقارب آپ کے متحیر ہوتے تھے،
زندگی بھر بازار سے کسی قسم کی پکی ہوئی کوئی چیز منگا کر نہیں کھائی۔
تا عمر چکی خود پیسا، اور اپنا کھانا خود پکایا یا کبھی اپنی لڑکیوں سے
بیماری کے زمانہ میں پکوا کر کھایا دوسرے کسی کے ہاتھ کا کھانا پکا ہوا
نہ کھایا۔ خود ہر طرح کا ہندوستانی کھانا نہایت لذیذ و عمدہ پکاتی
تھیں لیکن آپ کی غذا سادہ تھی۔ عزیزوں اور ہمسایہ کے یہاں
سے جو پکا ہوا کھانا شادی بیاہ یا تحفتہً آتا اُسے بخوشی قبول کرتیں
لیکن خود نہ کھاتیں بلکہ بچوں اور دوسروں کو کھلا دیتی تھیں۔ حدیہ
ہے کہ کبھی دوسروں کے برتن میں نہ کھایا نہ پانی پیا۔ اپنے استعمال کا
برتن بالکل علحدہ رکھتیں۔ کبھی کسی عزیز کے یہاں شادی یا اور کسی
موقعہ پر جانا ضروری ہوتا تو اپنے پینے کا پانی ہمراہ لے جاتیں۔ حج میں
بھی تشریف لے گئیں تو جہاز پر کا پکا ہوا کھانا نہ کھایا۔ مجھ سے گیارہ
روز تک صرف کھچڑی پکوا کر کھائی۔ مکہ معظمہ و مدینہ منورہ میں بھی خود
ہی پکایا۔ ان کے باورچی خانہ میں کوئی جوتہ یا سلیپر پہن کر نہیں جا سکتا

تھا۔ طہارت کا بے حد خیال تھا۔ جب کبھی طبیعت ناساز ہوئی فاقہ کرتیں۔
کبھی کسی ڈاکٹر، حکیم یا ہیم کا علاج نہ کیا۔ آخر عمر میں جب آپ کے دانت
ہلنے لگے تو آپ نے ان کو کسی ڈاکٹر سے نہیں نکلوایا بلکہ خود سے نکل
جانے تک انتظار کیا، ضعیفی میں آپ کے داہنے پیر میں درد ہوتا تھا
جس سے آپ کو سخت تکلیف ہوتی تھی مگر علاج سے پرہیز کیا صرف
تیل وغیرہ مالش کیا اور خدا نے صحت دی۔

امانت دار ایسی تھیں کہ اپنے عزیز و اقارب کے علاوہ محلہ
کی غیر فرقہ کی عورتیں اپنا روپیہ، زیور و دیگر سامان آپ کے پاس
لاکر رکھنے میں قلبی سکون پاتیں اکتوبر ۱۹۴۶ء میں ہندو مسلم فساد
کے موقعہ پر میں نے دیکھا کہ آپ اپنے مال و اسباب سے زیادہ کچھ اور
سامان کے تحفظ کے لئے بیحد متردد و پریشان تھیں، میرے
دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ چیزیں لوگوں کی امانت ہیں۔ غرض
میں نے بدقت تمام ان کو راضی کیا کہ ایسے نازک وقت میں جبکہ
موت و حیات کا معاملہ درپیش ہے لوگوں کی امانتیں واپس کردیں۔
کتنے غریب لڑکے اور لڑکیوں کو پالا اور اُن کی شادیاں کردیں، اپنے
بھائی، بہن کی اولاد سے مثل اپنے بچوں کے محبت اور پیار کرتیں
اور ہر موقعہ پر کسی قسم کی امداد سے کبھی گریز نہ کیا، غریب و نادار
عورتوں سے بڑی محبت و پیار سے باتیں کرتیں اُن کے دردِ دل کو بڑی
ہمدردی سے سنتیں اور جو ہو سکتا امداد کرتیں۔ رمضان المبارک

ہیں محلہ کی مسجدوں پر افطاری بھیجنا ضروری تھا۔
آپ کو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم و حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ و سید الشہدا امام حسین علیہ السلام و حضرت غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے والہانہ محبت تھی۔
۱۲ ربیع الاول یوم مولود حضرت سرکارِ دو عالم آپ کبھی پھلواری شریف کبھی خانقاہ عمادیہ منگل تالاب و کبھی تکیہ حضرت عشق میتن گھاٹ زیارت کو تشریف لے جاتیں، بارہ روز تک برابر نذر دلاتیں، ہر سال ایک خصی بڑے شوق سے پالتیں اور سرکار کائنات کے نام پر بقر عید کے پہلے ہی دن قربانی کرتیں اور اس قربانی کے گوشت کو دوسرے آدمی کے نام کی قربانی کے گوشت سے بالکل علحدہ رکھتیں مبادا کسی غیر مذہب والے کو نہ مل جائے۔ ۱۳ رجب یوم ولادت حضرت علیؑ بڑے دھوم سے کونڈا کرتیں اور حضرت مولا مشکلکشا کی نذر دلاتیں، آپ حنفی المذہب تھیں لیکن محرم کے لیئے خاص اہتمام کرتی تھیں۔
دس روز تک محرم میں روزانہ کھچڑا خود پکا کر تقسیم کرتیں اور شربت بھی تقسیم ہوتا۔ اور ہر روز شب میں نیاز شہدائے کربلا دلواتیں۔
خصوصاً، ۲ محرم کو بڑے اہتمام سے حاضری ضرور نذر دلواتیں، دو روز نو اور دس تاریخ کو روزہ رکھتیں اور گھر میں آگ نہ سلگاتیں، ان دو راتوں میں شمع بھی تیز نہ جلاتیں، آپ کی اس والہانہ محبت کا ثمرہ تھا کہ آپ کا انتقال شب عاشورہ مدینہ منورہ میں ہوا اور

یوم عاشور جنت البقیع میں سید الشہدا کی والدہ محترمہ لخت جگر رسول خدا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پائنتی جگہ ملنے کی سعادت نصیب ہوئی اور آپ کا جسم خاکی اس مقدس مطہرہ اور پاک مٹی میں مل گیا۔ ۱۱ ربیع الثانی کو بھی بڑے اہتمام سے غوث الثقلین حضرت سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی نیاز دلواتیں اور اس امر کا خیال رکھتیں کہ ان کے نذر کی چیز کسی دوسرے فرقے کے فرد کو نہ ملنے پائے۔

اُن کی ازدواجی زندگی بڑی کامیاب گذری، شوہر کی اس قدر مزاج داں تھیں کہ شوہر کو اپنی زندگی میں کبھی کوئی شکایت کا موقع نہ ملا۔ باوجود صاحب اولاد ہونے کے شوہر سے تاعمر اپنے بچوں کی آئندہ زندگی کے لئے بھی کبھی کوئی فرمائش نہ کی، بلکہ ہر کم و بیش کو خوشی سے قبول کر لیا اور صبر و استقلال سے کام لیا۔ بلکہ اپنے حُسنِ عمل اور تدبیر سے روپیہ جمع کر کے اپنے بچوں کی عافیت کے لئے نہایت عمدہ پختہ مکان زنانہ و مردانہ محلہ سنگی دالان میں بنوایا اور ضرورت کے مطابق اثاث البیت بھی مہیا کر دئے۔ اس کے علاوہ متعدد مکانات و معیشت بھی خریدی۔ ضعیفی تک میں بغیر اجازت شوہر گھر سے کبھی قدم باہر نہیں نکالا۔

آپ کی تین پشتوں نے متواتر حج کئے یعنی باپ، دادا، پردادا، اس کے علاوہ آپ کی حقیقی بڑی ہمشیر الحاجہ محمودۃ النساء زوجہ

میر یوسف حسین مرحوم رئیس لودیکٹرہ پٹنہ اور ان کی لڑکی مسماۃ زبیدہ خاتون نے کئی حج کئے اور تقریباً دس سال تک مسلسل مدینہ منورہ میں یہ دونوں ماں بیٹی قیام پذیر رہیں۔ لہذا آپ کے دل میں بھی حج کرنے کا ولولہ تھا۔ چنانچہ دو موقعہ پر ایسا ہوا کہ آپ حج میں جانے کے لئے بالکل تیار رہو گئیں۔ اور سب سامان درست ہو گیا، عزیز و اقارب الوداع کہنے کو آ گئے، لیکن دونوں بار آپ کے شوہر نے آپ کو حج میں جانے سے کسی وجہکر روک دیا۔ آپ نے اس سلسلہ میں شریعت مدار، عمدۃ العلماء، زبدۃ الفقہا حضرت مولانا حافظ سید شاہ حبیب الحق اعلی اللہ مقامہٗ سجادہ نشین خانقاہ عمادیہ منگل تالاب سے فتویٰ دریافت فرمایا۔ حضرت شاہ صاحب قبلہ نے لکھ بھیجا کہ بغیر شوہر کی اجازت حج کو جانا درست نہیں۔ چنانچہ آپ نے حج کا سفر ملتوی کر دیا۔ گو مدتوں اس غم میں روتی رہیں۔ شوہر نے آپ کی خاطر دونوں موقعوں پر تحریر لکھ کر دیدی کہ "آئندہ سال حج کے اخراجات مبلغ دو ہزار روپیہ ہم دینگے۔"

لے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حقیر احمد علی خاں والدہ محمود میاں سلمہٗ سے وعدہ کرتا ہے کہ مبلغ دو ہزار روپیہ واسطے حج کے پارسال کے لئے ضرور بالضرور دیونگا لہذا یہ وعدہ نامہ لکھ دیا کہ وقت پر کام آوے فقط۔

احمد علی خاں تاریخ ۲۰ر فروری ۱۹۳۵ء۔

یہ تحریر میرے پاس تبرکاً محفوظ موجود ہے دو بار حج کا سفر ملتوی ہوجانے پر آپ پر اک یاس اور ناامیدی سی طاری ہوگئی تھی چنانچہ جب پٹنہ میں حج کا فلم آیا تو شوہر اور اپنے بچوں کو ہمراہ اپنی زندگی میں پہلی اور آخری بار ۳ جولائی سنہ ۱۹۳۹ء کو حج کا فلم دیکھنے کے لئے الفنسٹن سینما بانکی پور تشریف لے گئیں۔ حج کا فلم دیکھتی جاتی تھیں اور روتی جاتی تھیں۔

آپ کی فطرت ہمیشہ سے امن پسند رہی، ہنگامہ و فساد سے دور رہیں شکوہ، شکایت و غیبت سے ہمیشہ پرہیز رہا، زندگی بھر کسی عزیز، اقارب یا ہمسایہ سے اختلاف نہ ہوا، اس لئے آپ کا کوئی دشمن نہ ہوا۔ شوہر کے انتقال کے بعد لوگوں نے ان کو دین مہر و ترکہ سے محروم کرنے کے لئے بڑی کامیاب سازش کی، دوسری طرف چند لوگ اس امر پر تیار ہوئے کہ دین مہر و ترکہ کا مطالبہ سختی سے پیش کیا جائے اور اس سلسلہ میں ہر ممکن تدبیر اختیار کی جائے، لیکن آپ کی امن پسند طبیعت نے یہ کہہ کر اٹھتے ہوئے فتنہ کو اسی وقت دبا دیا کہ "مہر و ترکے کا معاملہ میرے اور میرے شوہر کے درمیان ہے اس میں کسی دوسرے کو دخل دینے کی مطلقاً ضرورت نہیں" میں نے بھی والدہ مرحومہ کے خیال کی تائید کی اور معاملہ بڑھنے نہ پایا، لیکن آپ کی اس امن پسندی اور نیک نیتی کا دوسروں نے ناجائز اور غلط فائدہ اٹھایا۔ اور اُن کے مہر و ترکے کے ساتھ ساتھ

اُن کے غریب بچوں کا تذکرہ بھی دبا لیا۔ آپ نے بڑے سکون و صبر سے کام لیا جس کا پھل اُن کو ملا یعنی حج و زیارت سے مشرف ہوئیں اور عاقبت بخیر ہوئیں اور حق مارنے والے آٹھ آٹھ آنسو رو رہے ہیں۔

بیوگی کی زندگی، اخراجات کی زیادتی، بڑھتی ہوئی گرانی، زمانہ میں فتنہ و فساد کی لپکتی ہوئی آگ، لڑکوں کی بیکاری، ایک ناکتخدا لڑکی کی شادی، آمدنی کے ذرائع مسدود، غرض اس ہوش ربا عالم میں آپ ہی کے ایسی باہمت، عقیل، فہیم، صابر و شاکر عورت تھیں جس نے خدا پر بھروسہ کیا اور اُسی کے فضل و کرم سے گھر کا ایک تنکا بیچے بغیر عزت و آبرو اور اسی شان و شوکت سے جس طرح شوہر کی زندگی میں رہتی تھیں پانچ برس زندگی بسر کر کے اس دنیائے فانی سے کامران و بامراد رخصت ہوئیں۔

آپ شادی کے بعد سے پٹنہ سے کبھی باہر نہیں گئیں۔ لیکن اکتوبر سنہ ۱۹۴۶ء کے خون آشام ہندو مسلم فساد کے موقع پر میرے شدید اصرار پر آپ جمعرات ۲۸ نومبر سنہ ۴۶ء مطابق ۳ محرم سنہ ۶۶ھ کو کلکتہ تشریف لے گئیں اور الحاجہ رضیہ بیگم صاحبہ دختر اے۔ کے۔ فضل الحق سابق وزیر اعظم بنگال کے دولتکدہ نمبر ۲/۸۸ واقع جھاؤتلہ پارک سرکس کلکتہ میں جا کر سات مہینہ قیام کیا اور ۳ جون سنہ ۴۷ء کو تقسیم ہند کے اعلان کے بعد سمبار ۱۶ جون سنہ ۴۷ء کو پٹنہ واپس آئیں۔ رمضان سنہ ۶۶ھ مطابق جولائی

۱۹۴۸ء میں شدید طبیعت خراب ہو گئی لیکن آپ نے روزہ نہ چھوڑا،
مجھ سے حج میں جانے کی تمنا ظاہر کی، چنانچہ میں نے انتظام شروع کیا۔ پاسپورٹ
حاصل کیا لیکن آپ نے حسبِ دستورِ طبیعت چیچک اور کولرا کا ٹیکہ
لینے سے انکار کیا، چنانچہ ۲۷ اگست ۱۹۴۸ء مطابق ۲۱ شوال ۶۷ھ
بعد نماز جمعہ اپنے مکان "کاشانہ" سنگی دالان سے میرے ہمراہ حج کے لئے
روانہ ہوئیں کون جانتا تھا کہ یہ آپ کا آخری سفر ہوگا۔ گو جہاز پر
قبل سے جگہ مخصوص نہیں کی گئی تھی لیکن آپ کی برکت سے ایک صاحب
سے چالیس مخصوص جگہوں کا کارڈ دستیاب ہو گیا، اپنے قافلہ کے
بیس ۲۰ آدمیوں کے علاوہ دوسرے ایسے بیس ۲۰ آدمیوں کو ٹکٹ دلوایا
گیا جو ہفتوں اور مہینوں سے ٹکٹ نہ ملنے کی وجہ کر بمبئی میں پڑے
ہوئے اخراجات سے زیر بار ہو رہے تھے۔ ۵ ستمبر ۱۹۴۸ء کو آپ
"اسلامی" جہاز سے روانہ ہوئیں۔ آپ کو جہاز پر کسی قسم کی متلی وغیرہ
جس کی عام مسافروں کو شکایت ہوتی ہے بالکل نہیں ہوئی،
سنیچر ۱۸ ستمبر کو مکہ معظمہ پہنچ کر عمرہ کرنے اور "خانہ کعبہ" کی زیارت
سے مشرف ہونے پر آپ کی خوشی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ
آپ ضعیفی سے خمیدہ ہو گئی تھیں لیکن مکہ معظمہ کے قیام کے
زمانہ میں آپ کی کمر کی خمیدگی بالکل جاتی رہی، اور آپ طواف
میں اس قدر تیز چلتی تھیں کہ اُن کے ہمراہ جو عورتیں تھیں اُن سے
برابر آگے ہو جاتی تھیں۔ حج کا زمانہ جب قریب آیا تو میں نے دیکھا کہ

آپ کچھ متردد نظر آتی ہیں۔ دریافت کیا تو فرمایا کہ تمہارے والد حج و زیارت کی سعادت سے محروم انتقال کر گئے۔ لہٰذا ان کے لئے حج بدل کا انتظام کر دو" چنانچہ میری استدعا پر استاذی حضرت مولانا الحاج محمد شفیع اللہ[1] صاحب مہاجر مکی جو عرصہ سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ میں قیام پذیر تھے والد مرحوم کی طرف سے حج بدل کے لئے راضی ہو گئے۔ منگل ۱۲ اگست کو حج سے فارغ ہونے کے بعد جمعہ ۱۹ ذالحجہ ۶۷ھ مطابق ۲۲ اکتوبر کو آپ نے مقام تنعیم سے عمرہ کا احرام باندھا اور عمرہ ادا کیا عمرہ کے ارکان ختم کرنے کے بعد آپ نے گرمی کی وجہ کر غسل کیا۔ اسی روز شب کو بخار آگیا اور یہی بخار موت کا باعث ہوا۔ حسب معمول آپ نے دوا سے انکار کیا لیکن ڈاکٹر زین العابدین صاحب نے جو بہار کے رہنے والے ہیں اور عرصہ سے مکہ معظمہ میں مع اہل و عیال رہتے ہیں اور ہومیو پیتھک علاج کرتے ہیں آپ کو دوائیں دیں لیکن کچھ افاقہ نہ ہوا اور مرض بڑھتا گیا۔ چنانچہ آپ نے مجھ سے

---

[1] حضرت مولانا شفیع اللہ صاحب محلہ بہادیوہ آرہ کے رہنے والے تھے، گورنمنٹ پٹنہ سیٹی اسکول میں عرصہ تک فارسی و اردو کے ہیڈ مولوی رہے، مجھے آپ کے شاگرد ہونے کا فخر حاصل ہے۔ والد مرحوم سے مولانا موصوف سے بڑے ارتباط تھے۔ ملازمت ختم ہونے کے بعد آپ مکہ معظمہ ہجرت کر گئے اور عرصہ سے وہیں مقیم تھے۔ آپ بڑے زاہد، عبادت گذار و خدا ترس تھے۔

اصرار و تقاضا کیا کہ جلد از جلد مدینہ چلو، چنانچہ ۲۶؍ ذالحجہ بروز جمعہ مطابق ۲۹؍ اکتوبر ۱۹۴۸ء بیماری ہی کے عالم میں "شبری" پر طواف الوداع کیا اور موٹر ٹیکسی سے مکہ سے جدہ آئیں اور دوسرے روز الصباح بذریعہ ہوائی جہاز جدہ سے مدینہ منورہ پہنچیں۔ روضۂ اقدس پر حاضری دی اور حضرت عثمان غنی رضؓ کے مقدس مکان میں جا کر قیام کیا جو باب جبریل کے قریب ہے۔ مدینہ میں ڈاکٹر خلیل الرحمٰن[1] ابن ڈاکٹر عبدالرحمٰن کا علاج ہوا اور آپ کی طبیعت بالکل سنبھل گئی اور آپ نے بچوں، عزیزوں اور احباب کے لئے تبرکات خریدنا شروع کیا، اور مکان واپس آنے کا انتظام کرنے لگیں۔ مگر مشیت کچھ اور چاہتی تھی اور حضرت کے دربار سے آپ کا واپس جانا منظور نہ تھا، آپ کو ہمیشہ کے لئے اپنا مہمان بنا کر روک لیا۔ اور یہ کیوں نہ ہوتا اللہ کے حبیب کے نام سے آپ کو نسبت تھی اور عرف عام میں محمدی ہی کہلاتی تھیں۔ ۱۰؍ نومبر ۱۹۴۸ء مطابق ۹؍ محرم ۱۳۶۷ھ شب عاشورہ

(بقیہ حاشیہ ۱) مکہ معظمہ میں آپ کی وجہ کر بعید آرام پہنچا، مولانا موصوف کا عنایت نامہ اکثر و بیشتر مکہ معظمہ سے آتا تھا۔ حقیقت یہ ہے والدہ کی نیت کا یہ صلہ تھا کہ والد مرحوم کی طرف سے حج بدل کے لئے ایسا دیندار شخص راضی ہو گیا جس نے دس پندرہ حج کئے ہوں اور حرم کی زندگی گذار رہا ہے۔

[1] ڈاکٹر عبدالرحمٰن مونگیر کے رہنے والے ہیں۔ ان کے بڑے لڑکے ڈاکٹر خلیل الرحمٰن عثمانیہ

دمغرب وعشا کے درمیان میری سوگوار گود میں انتقال فرمایا۔
انا للہ وانا الیہ راجعون۔

الحاج محمود علی صبا

اسلاف کی درخشاں زندگی کے تذکرہ کے بعد خود شناسی کے حدود میں ایک ناکامیاب زندگی کے خدوخال کو پیش کرنا ایک مصور کا اپنی آپ تصویر کھینچنے کی دشواریوں کے مترادف ہے۔ میری کتابِ زندگی کے کچھ اوراقِ پریشاں میری ناچیز تصنیف و تالیف موج صبا، بادہ گلرنگ، سفر محمود، یارانِ میکدہ اور بادہ عرفاں میں ملیں گے۔ خانوادہ سنگی الاف کے اسلاف کی عزت و ناموس کے ایک ادنیٰ محافظ اور فیض و تہدی کے میخانۂ سخن کا جرعہ کش ہونے کی حیثیت ہی میری سوانح عمری کی ایک امتیازی تمہید ہے۔

۱۳ رجب ۱۳۲۵ھ یوم جمعہ کی مبارک صبح کو اسیرِ حیات ہو کر اس جہانِ فانی میں مقید ہوا۔ اس کلجگ کی شکست و ریخت میں زندگی کے مختلف موڑ سے گذرا لیکن سن ۱۹۵۰ء صحیح معنوں میں میرے لئے غدر کا سال تھا جبکہ میرے چند خاص عزیزوں نے سازش کر کے میرے گھر کو جی بھر کے لوٹا۔ تہذیب و اخلاق کی بنیادیں جڑ سے اکھاڑ کر خود اسے پھینک دیں۔ شرافت و انسانیت انگشت بدنداں تھی۔ مجھ پر وہ جور و ستم کئے گئے کہ فرعون اور یزید کی روحیں کانپ اٹھیں۔

میرے شبستانِ تصور میں بھی یہ بات نہ تھی کہ خاندان کے اخلاق کا چراغ اس قدر جلد بجھ جائیگا کہ شمع کشتہ کا دھواں تک نظر نہ آئیگا۔ افسوس ہے کہ اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جن کی ریڑھ کی ہڈیاں میرے احسانات کے بوجھ سے ٹوٹ جانی چاہیے تھیں۔ خاندان کے ڈیڑھ سو سالہ وقار پر وہ ضرب کاری لگی ہے جس کا تدارک مشکل ہے اور مجھ پر استبداد کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

آنچہ کافر نہ کنند آں عزیزاں کردند

بقیہ صفحہ ۱۰۹ سینڈ ہل کالج سے ام۔ بی۔ بی۔ اس کا امتحان پاس کر کے مدینہ منورہ میں پریکٹس کرتے ہیں۔

قطعاتِ محمود علی صبا عظیم آبادی

جانِ چمنِ فیضِ سخنداں ہوں میں — موجِ قدحِ مہدیِ ذیشاں ہوں میں
کہنے کو تو ہیں اور بھی فرزند مگر — نورِ نگہِ احمد علی خاں ہوں میں

دامن میں لئے رنگِ بہاراں ہوں میں — اک پھول نہیں بلکہ گلستاں ہوں میں
سن لیں یہ برادرانِ یوسف سن لیں — اسلاف کی عزت کا نگہباں ہوں میں

کیا تم سے کہیں کیا مرا "کاشانہ" تھا — میزانِ محبت کا یہ پیمانہ تھا
بٹتی تھی یہاں روز محبت کی شراب — یارانِ سخن کا یہی میخانہ تھا

اس حال میں اب اپنا یہ "کاشانہ" ہے — جس سمت نظر ڈالئے ویرانہ ہے
بربادیٔ عزت کا بجا ہے ماتم — ناموسِ پدر کا یہ عزا خانہ ہے

ایک ہی طرح کی ملتی نہیں فطرت سب کو — اپنی عزت سے بھی ہوتی نہیں الفت سب کو
دولت و زر تو ملا کرتے ہیں ورثے میں مگر — علم و اخلاق کی ملتی نہیں دولت سب کو

صبا اپنا تخلص ہے چمن ہی اپنا مسکن ہے — میں وہ موجِ محبت ہوں جہاں پہنچا وہ گلشن ہے
زمانہ بھولتا جاتا ہے اب تو فیضؔ و مہدیؔ کو — مگر دم سے مرے گھر میں سخن کی شمع روشن ہے

---

[1] مصرع کی برجستگی مد نظر ہے

نواب زوار علی خاں زوار

نواب زوار علی خاں، نواب بہادر علی خاں صاحب کے
منجھلے صاحبزادے تھے، ۲۷ رمضان المبارک ۱۲۸۶ھ بمقام
حسین آباد پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم جناب شاہ رفعت
حسین عرف جمعہ میاں سے حاصل کی، فارسی و عربی کی اعلیٰ کتابیں
مولانا مظہر حسین صاحب مظہر غازیپوری[1] سے پڑھیں علم ریاضی
خصوصاً ہیئت و ہندسہ و حساب کی تکمیل مولانا حکیم سید محمد ہادی
صاحب غازیپوری سے کی، غرض اس دیار میں آپ کی صلاحیت
کا دوسرا کوئی شخص نہ تھا۔ چنانچہ جناب مولانا سید محمد حسن صاحب
قبلہ عرف علن صاحب مجتہد لکھنؤ اعلی اللہ مقامہٗ نے آپ کو پیش
نمازی کا اجازہ بھی دیا تھا۔ عنفوان شباب ہی سے طبیعت کا
میلان مذہب کی طرف تھا، اور آپ کی صحبت میں سوائے مذہبی
یا ادبی گفتگو کے دوسری کوئی گفتگو نہیں ہوتی تھی۔

ادب کا ذوق بھی بڑا پاکیزہ و بلند تھا، مولانا سید مظہر حسین
صاحب مظہر غازیپوری سے شرف تلمذ تھا، زوار تخلص فرماتے تھے،

---

[1] پروفیسر علامہ جمیل مظہری کے دادا۔

آپ صاحب تصنیف و تالیف تھے۔ آپ کی ایک مثنوی "شمع شبستان" (فارسی) ۱۳۰۶ھ میں مطبع انوار محمدی لکھنؤ سے طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے، قطعہ تاریخ ختم مثنوی از مصنف ؎

بحمد اللہ اے زوار ایں شمع | ضیا افگندہ اندر منزل ما
چو خواہی سال روشن بہر تصنیف | بگوش شمع شبستان دل ما

۱۳۰۶ھ

اور ۱۳۲۲ھ میں مطبع تصویر عالم لکھنؤ سے ایک کتاب مسمّٰی شمعِ انجمن بہ زبان اردو شائع ہوئی ہے، اس میں آپ کی چند رباعیاں، قطعات، سلام، قصیدے اور کچھ غزلیں ہیں ایک قصیدہ "القصیدۃ الغراء والفریدۃ العذراء" (عربی) میں مطبع عماد الاسلام لکھنؤ سے ۱۳۲۴ھ میں شایع ہوا ہے۔ ان شائع شدہ تصنیفات کے علاوہ آپ نے کئی ایک کتابیں لکھیں مجالس عشرہ، شرح الوہب، علم منطق اور مسدس عید غدیر وغیرہ اس کے علاوہ نہج البلاغہ کی بھی شرح نصف لکھ چکے تھے کہ حیات نے وفا نہ کی۔

۱۳۲۱ھ میں آپ مع اہل و عیال زیارت عتبات عالیہ کو تشریف لے گئے، واپسی میں بہ مقام کراچی ایک صاحبزادہ حامد علی خاں اور ایک کم سن بچی نے انتقال کیا، واپسی کے بعد آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا جو تا عمر قائم رہا۔ کتب بینی کا

بیحد شوق تھا اور عمر بھر یہی مشغلہ رہا۔ آپ کی شادی ۲ ربیع الاول ۱۳۰۲ھ میں عفت النساء بیگم بنت نواب کاظم علی خاں صاحب سنگی دالان پٹنہ سے ہوئی تھی، آپ نے ۱۶ رجمادی الآخر ۱۳۲۵ھ بعارضۂ ضعف انتقال فرمایا اور جامع مسجد حسین آباد کی پشت پر دفن ہوئے۔ آپ کثیر الاولاد تھے۔ چھ لڑکے اور دو لڑکیاں۔ آپ کے ایک صاحبزادے ذکی حسن خاں کی شادی نواب محمد جعفر خاں (خویش نواب تقی علی خاں سنگی دالان) کی اکلوتی صاحبزادی امت الفاطمہ بیگم سے ہوئی تھی جن سے آپ کو ایک صاحبزادہ نواب مہدی حسن خاں عرف منن نواب ہیں۔

نمونہ کلام

مقامِ حشر میں اک حشر دوسرا ہوگا | شہیدِ عشق کا جس وقت داخلہ ہوگا
تمہاری زلف کی سرگوشی ایک آفت ہے | کسی کے سر کوئی اس طرح کم چڑھا ہوگا
گلی میں دیکھی جو ٹکڑے پڑے ہیں اے زوّار | یہ ہو نہ ہو دلِ صد پارہ آپ کا ہوگا

جب فنا میں خود ہوا وصل اُس کا حاصل ہوگیا | بلبلا تھا ٹوٹ کر دریا میں شامل ہوگیا
بہہ گیا دل ٹھہر کے خوں اب رہ گیا دل کی جگہ | درد ہی گویا ہمارے واسطے دل ہوگیا
کون مقتل میں ہوا ہے بے گنہ ایسا شہید | قتل کر کے جس کو نادم آپ قاتل ہوگیا
میں ہی میں ہوں تم ہی تم ہو دل وہی الفت وہی | پھر سبب کیا کیوں اثر نالوں کا زائل ہوگیا
جھک کے ملنے سے ہی اپنے داد عالم میں ملی | ماہِ نو خم ہو کے آخر ماہ کامل ہوگیا

مری ہوس سے ظاہر ہے کہ دل سینہ میں جلتا ہے
لگی ہے آگ گھر میں اور دھواں باہر نکلتا ہے

چراغاں ہے سراپا داغ تن سے کوئی جلتا ہے
تماشا دیکھنے کو اے ستمگر تو بھی جلتا ہے

اسیران فنا سے دیکھئے خون آج کس کا ہو
کھنچی ہے ہاتھ میں شمشیر اور قاتل ٹہلتا ہے

طپش بڑھتی ہے دل کی جب جگر آتا ہے قابو میں
جگر میں درد اٹھتا ہے اگر کچھ دل سنبھلتا ہے

نہ بدلا آج تک نے وار رنگ اسکی عداوت کا
سنا تھا رنگ چرخ چنبری ہر دم بدلتا ہے

دل میں پنہاں ہیں وہ اور ان کے رخ روشن سے
نور باہر ہے عیاں آنکھوں کے مرے روزن سے

تیغ سے سیکھ لے انسان فروتن ہونا
دوست تو دوست ہے جھک جھک کے ملی دشمن سے

نواب محمد جعفر خاں

محمد جعفر خاں، داور حسین خاں شیخپورہ ضلع مونگیر کے اکلوتے صاحبزادے تھے۔ داور حسین خاں کی شادی چھپرہ کی مشہور و معروف زمیندارہ محمدی بیگم زوجہ ولایت حسین خاں ابن ہادی حسین خاں کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ محمد جعفر خاں اپنے ننہیال میں پیدا ہوئے اور اپنی نانی کی زندگی تک وہیں رہے۔ ان کے انتقال کے بعد شیخپورہ چلے آئے۔ آپ بچپن ہی سے نہایت سلیم الطبع اور ذہین تھے۔ فارسی اور اردو کی منتہی کتابیں ختم کرنے کے بعد آپ انگریزی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے اپنے چچیرے نانا نواب

نصیر حسین خاں معروف بہ چڑیا والے نواب ابن ہادی حسین خاں) کے یہاں مراد پور پٹنہ چلے آئے اور کلکتہ یونیورسٹی سے انٹرنس کا امتحان اول درجہ میں پاس کیا۔ آپ کی اس کامیابی کا چرچہ پٹنہ کے معزز خاندانوں میں جہاں انگریزی تعلیم اُس زمانہ میں ایک گونہ مفقود تھی، ہونے لگا۔ چنانچہ نواب تقی علی خاں ابن نواب مہدی علی خاں سنگی دالان نے اپنی بڑی لڑکی علیم النسا، کی شادی آپ سے کردی، خاندانِ سنگی دالان میں اُس وقت انگریزی تعلیم کا فقدان تھا محمد جعفر خاں پہلے شخص تھے جو انگریزی تعلیم حاصل کرکے اس خاندان کے ایک رکن ہوئے۔ نواب تقی علی خاں آپ کو اس قدر عزیز رکھتے تھے کہ بحیثیت خانہ داماد اپنے یہاں رکھ لیا۔ جب نواب تقی علی خاں کی چھوٹی صاحبزادی حبیب النسا، (زوجہ اولیٰ عنایت حسن خاں عرف ننّا میاں ولد کاظم علی خاں سنگی دالان) اور اکلوتے لڑکے نقی علی خاں (جن کی شادی آمنہ بیگم دختر خورد نواب ہادی علی خاں فائز سنگی دالان سے ہوئی تھی) یکے بعد دیگرے لاولد انتقال کر گئے، تو تقی علی خاں نے اپنی کل معیشت اپنی لڑکی علیم النساء کو ہبہ کردی۔

محمد جعفر خاں کو اللہ نے صورت اور سیرت دونوں عطا کی تھی۔ میانہ قد، گداز بدن، سرخ و سفید رنگ، ستواں ناک، کشادہ پیشانی، کتابی چہرہ اس پر خشخشی داڑھی، چہرہ پہ وقار

اور شرافت ونجابت کی شان نمایاں تھی وہی رفتار وگفتار جو
موروثوں کا طرۂ امتیاز تھا۔ بڑے داشت ورکھ رکھاؤ کے ساتھ
رہتے تھے۔ لباس میں بڑی نفاست تھی۔ سیاہ ایرانی ٹوپی (نواب
کیپ) شیروانی، انگریزی وضع کا پاجامہ اور پمپ جوتے پہنتے
تھے۔ گرمیوں میں سفید ململ کا کرتہ۔ ضعیفی میں ہر وقت سونے
کی فریم کا چشمہ لگائے رہتے تھے۔ مکان صاف ستھرا، ملازمین مہذب
وسلیقہ شعار۔ سواری کے لئے عمدہ گھوڑے کی وکٹوریہ (فٹن) تھی
اس کے علاوہ ایک شیورلٹ موٹر کار بھی تھا۔ شام کے وقت بلاناغہ
مکان کے صحن میں چوکی کے تخت پر جس پر عمدہ قالین یا سوزنی
بچھی رہتی اور گاؤ تکیہ لگا رہتا۔ آپ کی نشست ہوتی تھی۔ تخت
کے اردگرد آرام دہ کرسیاں بھی لگی رہتی تھیں۔ عزیز واحباب
اس وقت ملنے آتے تھے اور موسم کے لحاظ سے چار، شربت یا قلفی
کا دور چلتا تھا۔ پان اور حقہ بھی استعمال میں تھا۔

گو اپنی ذاتی حیثیت مختصر تھی اور سنگی دالان میں بہ حیثیت
خانہ داماد رہتے تھے۔ مگر اپنا رکھ رکھاؤ برابر قائم رکھا اور خودداری

ل۔ آپ کا سلسلۂ نسب نواب علی قاسم خاں جد اعلیٰ خاندان حسین آباد سے
چوتھی پشت میں جا کر مل جاتا ہے محمد جعفر خاں ابن نواد حسین خاں ابن
محمد کاظم خاں ابن محمد تقی خاں ابن علی قاسم خاں۔

کو کبھی ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ غریب پرور اور شریفوں کے ہمدرد تھے۔ اہلِ زر سے کبھی مرعوب نہ ہوئے۔ سسرال کی زمینداری کو اپنے حسنِ تدبیر سے دو چند کیا۔ اور بینک میں لاکھوں روپے جمع کرتے۔ آپ کی زندگی بڑی سادہ تھی۔ زیادہ تر وقت مذہب و فقہ کی کتابوں کے مطالعہ میں گذرتا تھا۔ تحریر بھی نہایت پاکیزہ تھی۔

آپ کو صرف ایک صاحبزادی ارث الفاطمہ تھیں جن کی شادی نواب ذکی حسن خاں ابن نواب زوار علی خاں حسین آباد ضلع مونگیر سے ۹ رمئی ۱۹۰۹ء میں ہوئی تھی۔ نواب ذکی حسن خاں کا بعارضہ دق اتوار ۷ رصفر ۱۳۳۰ھ م ۲۸ رجنوری ۱۹۱۲ء کو حسین آباد میں انتقال ہوگیا اور اپنے آبائی قبرستان میں سپردِ خاک ہوئے۔ ذکی حسن خاں نے صرف ایک کمسن لڑکا نواب مہدی حسن خاں عرف منن نواب اپنی یادگار چھوڑا۔

محمد جعفر خاں کا قلب کی حرکت بند ہو جانے سے ۱۲ رمحرم ۱۳۴۸ھ م ۲۰ رجون ۱۹۲۹ء یوم پنجشنبہ کو ستر سال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ امام باڑہ گلشنِ حیدری محلہ مغلپورہ پٹنہ کے اندرونی رواق میں دوسرے دن صبح کو سپردِ خاک کئے گئے۔ آپ کی اہلیہ علیم النساء کا انتقال چار بجے شام کو ۲۰ رصفر ۱۳۶۹ھ م ۱۹ ردسمبر ۱۹۴۹ء ہوا اور محلہ کشمیری کوٹھی کے قبرستان میں دفن ہوئیں۔

نواب سید مہدی حسن خاں عرف منّن نواب

مہدی حسن خاں، نواب ذکی حسن ابن نواب زوار علی خاں مرحوم حسین آباد کے اکلوتے صاحبزادہ ہیں۔ آپ کی والدہ امت فاطمہ بنت محمد جعفر خاں، نواب تقی علی خاں سنگی دالان کی نواسی ہیں۔

آپ ۱۳ شعبان ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹ اگست ۱۹۱۰ء بروز پنجشنبہ اپنی ننہیال سنگی دالان میں پیدا ہوئے۔ ابھی آپ کمسن ہی تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ جواں بیوہ ماں اور نانا، نانی نے بڑے ناز و نعم سے پرورش و پرداخت کی۔

تعلیم کا بچپن ہی سے خیال رکھا گیا۔ انگریزی کی تعلیم کیلئے یوروپین (انگریز) معلمہ مقرر کی گئی۔ اردو اور فارسی کی تعلیم کے لئے علیحدہ اساتذہ تھے۔ ۱۹۲۴ء میں آپ نے میٹرک کا امتحان شاندار طور پر پاس کیا اور نیو کالج پٹنہ میں ایف۔ اے میں داخلہ لیا۔ ابھی سلسلہ تعلیم جاری ہی تھا کہ آپ کی ضعیف پرنانی (عنایت فاطمہ بیگم زوجہ تقی علی خاں مرحوم) کے شدید اصرار پر ۱۹۲۶ء میں آپ کی شادی نواب خورشید جہاں بیگم بنت حسام الملک حسام الدولہ خان خاناں بہادر، سابق وزیر اعظم دولت عثمانیہ حیدرآباد دکن سے انجام پائی جن کے بطن سے آپ کو ایک لڑکا اور تین لڑکیاں ہوئیں۔ لڑکے کا گیارہ سال کی عمر میں گھوڑے سے گر کر انتقال ہو گیا۔

تینوں لڑکیوں کی شادی حیدرآباد ہی میں تعلقدار خاندان میں ہوئی ہے اور وہ سب ماشاءاللہ صاحب اولاد ہیں۔
منّی نواب صاحب دو مشہور خانوادے (حسین آباد اور سنگی دالان) کی نمائندگی کرتے ہیں آپ بچپن ہی سے بیحد ذہین سلیم الطبع اور خوش مزاج ہیں۔ اخلاق کا یہ عالم ہے کہ جس سے ملے جھک کر ملے۔ تین پشتوں سے مسلسل ایک ہی اولاد میں دولت منتقل ہونے کی وجہ کر آپ کی ذاتی معیشت (بہ استثنائے نواب سید احمد علی خاں) خانوادۂ سنگی دالان میں سب سے زیادہ تھی۔ لیکن دولت نے آپ کے مزاج پر کچھ اثر نہ کیا۔ آپ حد درجہ عزیز نواز اور دوست پرست ہیں۔ ان باتوں کے علاوہ ظاہری حسن صورت میں بھی آپ اہل خاندان میں نمایاں ہیں سرخ و سفید رنگ، میانہ قد، گٹھا ہوا گداز جسم، ستواں ناک، کشادہ پیشانی

۱؎ نواب خان خانان بہادر کی ہمشیر کی شادی نواب مختار الملک سر سالار جنگ بہادر اول سابق وزیر اعظم دولت عثمانیہ سے ہوئی تھی۔ اس طرح آپ کا سسرالی خاندان بھی بہت ہی معزز و مشہور ہے۔

۲؎ حضرت بندگان عالی سلطان العلوم نواب میر عثمان علی خاں بہادر فرمانروائے حیدرآباد دکن نے تاریخ کہی جو اُس بچے کی قبر پر کندہ ہے۔ ؎

زینتِ آسپ شدہ ولئے کو دک آں معدوم

اور چمکدار آنکھیں۔ چند سال سے آپ کی طبیعت پر مذہب کا اثر زیادہ ہے۔ نماز، روزہ و تہجد میں زیادہ وقت صرف ہوتا ہے۔ حسین چہرہ پر اب شرعی داڑھی بھی ہے۔ الغرض آپ کے ملنے سے پتا چلتا ہے کہ یہ پھول کس باغ کا ہے۔ وہی لب ولہجہ، وہی اندازِ گفتگو، وہی رفتار و گفتار وہی آدابِ نشست و برخواست، وہی طرزِ زندگی جو بزرگوں کا شیوہ اور طرۂ امتیاز رہا ہے۔

آپ نے دوسرا عقد کلیم النساء بیگم بنت محمود خاں صاحب جھاؤ گنج (پٹنہ سیٹی) سے کیا۔ جس سے ایک صاحبزادہ ڈاکٹر ذکی احمد خاں پیدا ہوئے جو اب حیدرآباد میں میڈیکل افیسر کے عہدہ پر فائز ہیں۔ یہ نہایت سلیم الطبع اور ہونہار ہیں۔ توقع کی جاتی ہے کہ ان کا آئندہ دورِ حیات درخشاں ہوگا اور اپنے والد گرامی کے لئے اُن کی زندگی باعث فخر ہوگی۔ ڈاکٹر ذکی احمد کی شادی صفیہ سلطانہ بیگم بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ دختر نواب میر شجاعت علی خاں ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ جج حیدرآباد دکن سے ہوئی ہے۔ دو لڑکے شاہد مہدی خاں اور ارشاد مہدی خاں ہیں۔

(بسلسلہ شجرہ منّا نواب) زوجہ ثانی

کلیم النساء بیگم بنت محمود خاں پٹنہ

ڈاکٹر ذکی احمد خاں ام۔ بی۔ بی۔ اس میڈیکل آفسر حیدرآباد دکن زوج صفیہ سلطانہ بیگم بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ بنت نواب میر شجاعت علی خاں ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ جج

شاہد مہدی خاں — ارشاد مہدی خاں

شجرہ نواب مہدی حسن خاں عرف منّن نواب سنگی دالان پٹنہ

مہدی حسن خاں

نہیالی شجرہ		داودھیالی شجرہ
محمد علی خاں حیرتی	نواب علی قاسم خاں	نواب علی قاسم خاں
↓	↓	↓
جعفر حسن خاں فیض	محمد تقی خاں	نواب علی جواد خاں
↓	↓	↓
مہدی علی خاں مہدی	محمد کاظم خاں	نواب فدا علی خاں
↓	↓	↓
تقی علی خاں	داور حسین خاں	نواب بہادر علی خاں
↓	↓	↓
علیم النساء زوجہ محمد جعفر خاں	محمد جعفر خاں زوج علیم النسا	زوار علی خاں
↓	↓	↓
امت الفاطمہ زوجہ ذکی حسن خاں	امت الفاطمہ زوجہ ذکی حسن خاں	ذکی حسن خاں
↓	↓	↓
مہدی حسن خاں	مہدی حسن خاں	مہدی حسن خاں

↓

از محل اولیٰ خورشید جہاں بیگم بنت نواب خان خاناں بہادر حیدرآباد دکن

↓

نواب مہر جہاں بیگم اہلیہ نواب میر مسعود علی خاں بی۔اے علیگ خلف نواب مہدی جنگ بہادر مرحوم حیدرآباد	سید محمد علی حسن خاں عرف کمال پاشا انتقال بہ عمر گیارہ سال	نواب قمر جہاں بیگم اہلیہ نواب میر مقصود علی خاں خلف نواب مہدی جنگ بہادر مرحوم حیدرآباد	نواب بدر جہاں بیگم اہلیہ نواب قمر الدین علی خاں خلف نواب میر موسیٰ خاں

حرفِ آخر

مجھے سخت افسوس ہے کہ ایسی کوئی صورت نکل نہ سکی کہ "ریاض الانساب" کے دونوں حصے ایک ہی ساتھ شائع ہو جاتے۔ مجھے اس کا بھی افسوس ہے کہ دوسرے حصّے کے صرف دو خانوادوں (دولی گھاٹ اور سنگی دالان) کے چند عظیم المرتبت مقدر بزرگوں کے احوال پر اکتفا کرنا پڑا، اور ان میں جو اہلِ سخن ہیں اُن کے کلام کا نمونہ بھی مختصر دینا پڑا لیکن سب سے زیادہ صدمہ اس بات کا ہے کہ مختلف خانوادوں کے شجرے کے متعدد نقشوں (چارٹوں) کو جس میں اخلاف کے ناموں کے ساتھ ساتھ ان کے سلسلۂ نسب اور آپس کی مختلف شاخوں کی رشتہ داریوں کو دکھایا گیا ہے کتاب کی تنگ دامانی نے شائع کرنے سے مجبور رکھا۔ اس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں اگر زمانے نے مہلت دی اور دیگر خانوادوں کے حالات شائع کرنے کا موقع ملا تو انشاء اللہ اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کروں گا

اس کتاب میں بیس ۲۰ آدمیوں کا تذکرہ ہے۔ جن میں اٹھارہ ۱۸ اسلاف ہیں جو اس دارِ فانی سے عرصہ ہوا گذر چکے اور دو ۲ اخلاف ہیں جو اس وقت خدا کے فضل سے حیات ہیں۔

ایک تو آپ سید مہدی حسن خاں عرف منّن نواب

دوسرے یہ ناچیز مصنف کتاب ہذا